

سرختیاں

صفحات	مضامین	صفحات	مضامین
۳۳	چودھویں دلیل	۱	عمر عائشہؓ پر ایک نظر
۳۶	پندرہویں دلیل	۸	بہلی دلیل
۳۹	سولہویں دلیل	۸	دوسری دلیل
۴۱	سترہویں دلیل	۸	تیسری دلیل
۴۱	حضرت عائشہؓ کی رخصتی	۹	چوتھی دلیل
۴۳	اٹھدہویں دلیل	۳	پانچویں دلیل
۴۴	انیسویں دلیل	۳	چھٹی دلیل
۴۷	بیسویں دلیل	۴	ساتویں دلیل
۵۶	اکیسویں دلیل	۱۷	آٹھویں دلیل
۵۸	بائیسویں دلیل	۲۰	نویں دلیل
۵۸	تیسویں دلیل	۲۳	دسویں دلیل
۵۸	کسٹن لاکھوں کی غلامی کا رواج؟	۲۳	ہم المومنین غزوہ بدر میں شریک تھے
۵۹	حضرت فاطمہؓ کا نکاح	۲۷	گیارہویں دلیل
۶۰	حضرت ام کلثومؓ	۲۸	ہم عمارہ
۶۰	حضرت اسمہؓ	۲۸	ہم سلیمہ
۶۱	چوبیسویں دلیل	۲۹	ہم المومنین حضرت عائشہؓ
۶۱	اجماعِ علی	۳۰	بارہویں دلیل
۶۴	حضرت خدیجہؓ کی عمر	۳۲	تیرہویں دلیل

(۱) اشاعت پنجم (۲) مئی ۱۹۹۷ء (۳) تعداد ۱۱۰۰

(۴) صفحات ۶۴ (۵) قیمت ۱۰ روپیہ صرف

٢ مآخذ علمی

محمد بن اسماعیل البخاری	صحیح بخاری	0
مسلم بن الحجاج قشیری	صحیح مسلم	0
سلیمان بن اشعث الجستانی	سنن ابی داؤد	0
احمد بن شعیب النسائی	سنن نسائی	0
محمد بن عیسیٰ ترمذی	جامع ترمذی	0
محمد بن عبداللہ بن یزید بن ماجہ	سنن ابن ماجہ	0
ابو عبد الرحمن عبداللہ بن عبدالرحمان الدارمی	سنن دارمی	0
عبداللہ بن الزبیر الحمیدی	مسند حمیدی	0
حافظ ابن حجر	تہذیب التہذیب	0
عقیلی	کتاب التعمیر	0
حافظ ذہبی	سیران الاحمدال	0
عبدالرحمان بن ابی حاتم مروزی	بلرح واحمدیل	0
حافظ محادی	فتح المغیث	0
ابن سعد	طبقات	0
ولی الدین التلیب	الاکمال فی اسماء الرجال	0
حافظ ابن کثیر	البدایہ والنہایہ	0
حافظ ابن حجر	تقریب التہذیب	0
محمد بن جریر طبری	تاریخ طبری	0
حافظ ذہبی	سیر الاعلام النبلاء	0
ابن ہشام	السیرة	0
حافظ ابن کثیر	السیرة النبویہ	0
عبدالرؤف واناپوری	حیات سید العرب	0
شلی	اصح السیر	0
میاز فتح پوری	سیرت النبی	0
مولانا سعید احمد اکبر آبادی	صحایات	0
امام احمد	سیرت السدیدین	0
سید سلیمان ندوی	المسند	0
حافظ ابن حجر	سیرت عائشہ	0
حکیم میاں احمد	الاسابہ فی احوال الصحابہ	0
	مرعائشہ	0

مقدمہ

عمر عائشہؓ پر ایک تحقیقی نظر

ہم طالب علمی کے دور سے آج تک پڑھتے اور سنتے آئے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ام المومنین عائشہؓ بنت ابی بکرؓ سے نکاح فرمایا تو اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی اور جب ام المومنین رضیعت ہو کر آئیں تو ان کی عمر نو سال تھی۔ اتفاق سے یہ روایت تمام کتب احادیث میں پائی جاتی ہے۔ اور ہمارے علماء، مہتممین اس کی تاویل سناتے رہے کہ عرب کا علاقہ گرم ہے۔ لہذا وہاں اس عمر میں لڑکیاں بالغ ہو جاتی ہیں۔

ہم زندگی کے ایک طویل عرصہ تک اسی تخیل میں مبتلا رہے۔ صحیح کہ کراچی میں آکر رہنا سہنا ہوا اور انگریزی تعلیم یافتہ حضرات سے جب بھی اور جہاں بھی ملاقات ہوئی وہ اس داستان کو خلاف عقل قرار دیتے نظر آئے اور ہم اس روایت کا دفاع کرتے کرتے تھک گئے۔ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس روایت کے بل بوتے پر انگریزی معاشرہ کو اسلام پر فوقیت دیتے ہیں، کچھ اسلام کا مذاق اڑاتے اور کچھ اس روایت کے نام سے حدیث کا مذاق اڑاتے، کچھ مزید علمی انداز میں فرماتے اصل تو تاریخ ہے، یہ حدیث تو عجمی ملاؤں کا فراڈ ہے۔ بلکہ بعض ایسے افراد بھی سامنے آئے کہ جن کی پہنچ اس حد تک ترقی کے زینے طے کر چکی تھی کہ صاحب اصل کلام تو یہ ہے کہ بخاری نے جو گمراہی پھیلانی ہے اس کا رد لکھا جائے۔ یہ ہیں وہ تصورات جو انگریزی تعلیم یافتہ ذہنوں میں پیدا کئے جاتے اور ایک دوسرے تک پھیلنے رہتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض افراد یہ کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے کہ صاحب بو ابہوسی کی حد ہوتی ہے کہ نو سال کی لڑکی سے ہوس پوری کی جا رہی ہے۔ معاذ اللہ اور کہنے کو ماشاء اللہ سب مسلمان ہیں۔ ہم یہ سب کچھ سنتے اور سوچتے کہ آخر اس کا علاج کیا ہے۔ اس علاج کی تلاش میں ہم نے تاریخ،

النسب ، جرح و تعدیل ، علل ، رجال اور شیخہ مذہب کا مطالعہ کیا اور تحقیق حال کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی کہ تاریخ اسلامی کا سب سے بڑا فراڈ مذہب تشیع ہے ۔ اور اس نے اس فراڈ کے لئے جو حربہ استعمال کیا ہے اس کا نہایت پورا اور خوبصورت نام تاریخ ہے ۔ جس کے فراڈ کا ثبوت ہم نے مذہبی داستان میں پیش کیا ہے ۔

اصول حدیث ، رجال ، علل اور موضوعات کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ محدثین کرام نے اس سیلاب کے آگے بڑی بڑی دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں ۔ افسوس اسی کا ہے کہ محدثین نے اس سیلاب کی رکاوٹ کے لئے جو بند باندھے تھے انہیں خود سنی ہی دیکھنا گوارا نہیں کرتے ۔ ورنہ ہمارے محدثین کرام ایسے بے بہا اصولی عنایت کر گئے ہیں کہ انہیں سلسلہ رکھ کر ہر کھرے کھلے کو جدا کیا جاسکتا ہے ۔ اور امام بخاری نے تشیع کے سیلاب کے آگے بہت بند باندھا ہے ۔ صحیح بخاری پر تنقید کا مقصد ہے تشیع کے ہاتھ مضبوط کرنا ۔ لہذا ہمارا ایمان بخاری پر اور قوی تر ہو گیا ۔ لیکن اس سلسلہ میں عوام دو مغالطوں کا شکار ہیں ۔

(۱) بخاری نے اپنی جانب سے ایسے وقت میں جبکہ ہر جانب سے جھوٹ کا ایک سیلاب اٹھتا آ رہا تھا ۔ پودی لگن اور محنت کے ساتھ اس جھوٹ کو علیحدہ کرنے کی پوری کوشش کی اور اس حد تک کی کہ آج تک اس فن میں ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا ۔ لیکن بہر صورت وہ انسان ہیں اور انسان ہونے کے ناطے غلطی اور خطا ممکن ہے اور غلطی قابل گروہ زدنی نہیں ہوتی اسے ہر گز جرم نہیں کہا جاسکتا ، جرم تو وہ ہوتا ہے جس کا جرم ہونا انسان کو معلوم ہو اور وہ غلطی عدا اختیار کی جائے تو حاشا و کلام بخاری پر اس قسم کا کوئی الزام قائم نہیں کیا جاسکتا ۔

(۲) بخاری سے ہر حدیث راویوں کے ذریعہ نقل کی ہے اور وہ راوی مضموم نہیں ۔ بلکہ ہم سے راوی ایسے ہیں جو بخاری کے نزدیک ثقہ ہیں ۔ لیکن دو سروروں کے حوالے سے ثقہ نہیں اور کسی کو ثقہ یا غیر ثقہ قرار دینا ایک اجتہادی مسئلہ ہے ۔ اور جرم نہیں کہا جاسکتا

ان خطبات میں ہم نے اس رد و انتہا پر لازم فرمودہ غرضیں بیان اور غور و فکر کے بعد جو امور سلسلے آتے تھے ہم وہ قارئین کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں ۔ اس معاملہ میں کسی خاص فرد بشر یا کسی خاص گروہ کی تقلید نہیں کی ۔

عمر عائشہ کے سلسلہ میں اب تک جن حضرات نے جو کچھ تحریر کیا ہے ان میں علمی لحاظ سے سب سے اہم کتاب حکیم نیاز احمد صاحب کی کتاب "عمر عائشہ" ہے ۔ لیکن اس میں فنی

مباحث کی بہتات ہے جس کے باعث ہم صحیحے طالب علموں کی کچھ سے بالاتر ہے۔
ہم اس سلسلہ میں نہ کوئی کتاب تصنیف کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہمارے پاس اتنا وقت ہے۔ ہم تو صرف ان تاثرات کو الفاظ کا جامہ پہنانا چاہتے ہیں جو مطالعہ کے دوران ہم پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بلوغ کی یہ حد صرف ام المؤمنین حضرت عائشہؓ تک محدود تھی یا تمام عرب میں ایسا ہوتا آیا ہے۔ کیونکہ اس قاعدہ کی رو سے تمام ان گرم ممالک میں جہاں کی آب و ہوا عرب جیسی ہو یا اس کے قریب ہو جیسا کہ بیشتر ممالک افریقہ، لیبیا، ٹیونس، سوڈان، مراکش اور ایشیا کے وہ علاقے جو منظرہ حارہ پر واقع ہیں یا اس کے قریب واقع ہیں۔ جیسا کہ پاکستان میں ملتان، سکھر، سی اور جیکب آباد کے علاقے اپنی گرمی کے باعث مشہور ہیں ان تمام ممالک میں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے دس گیارہ سال کی عمر میں تمام لڑکیوں کو بالغ ہو جانا چاہئے اور پاکستان میں دو چار لاکھ نہ سی دو چار ہزار سی نو سالہ عمر کی مثالیں دستیاب ہوئی چاہئے تھیں۔ اور جزیرۃ العرب میں ایسی لاتعداد تمشیلات پائی جانی چاہئے تھیں۔ اگر تاریخ نے اس قسم کے واقعات کو نظر انداز کر دیا تھا اور انھیں قابل ذکر تصور نہیں کیا تھا تو آج بھی جزیرۃ العرب اسی جگہ برقرار ہے اور آج بھی مکہ اور مدینہ علیٰ حالہ اپنی جگہ قائم ہیں۔ وہ لہنے مقام سے ایک انچ نہیں ہٹے۔ آج بھی جزیرۃ العرب کی آب و ہوا وہی ہے جو آج سے پندرہ سو سال قبل تھی۔ آج بھی مکہ کی گرمی مشہور ہے بلکہ ہم تو مارچ کے مہینہ میں وہاں کی گرمی کا مزہ چکھ چکے ہیں اور آج اس دور کی نسبت مواصلات کے ذرائع کافی تعداد میں میر ہیں۔ بلکہ لاکھوں پاکستانی سرزمین عرب میں برسر روزگار ہیں۔ اور بہت سوں کے بیوی بچے وہاں زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن آج تک ہمارے سامنے کسی نے یہ شکوہ نہیں پیش کیا کہ وہاں لڑکیاں اس عمر میں بالغ ہو جاتی ہیں اور کسی پاکستانی نے ہم سے آج تک یہ بیان نہیں کیا کہ صاحب میرے بیوی بچے سعودیہ میں میرے پاس رہتے تھے اور وہاں کی آب و ہوا کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ماشاء اللہ سب ہی نو سال کی عمر میں شادی کے قابل ہو گئے ہیں۔ صاحب اب ہمیں یقین آ گیا کہ واقعات ام المؤمنینؓ کی رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی ہوگی۔ اگرچہ یہ اشکال تب بھی قائم رہے گا کہ اس زمانے کی بقیہ لڑکیوں کی کیا صورت حال تھی جو انشاء اللہ ہم آئندہ پیش کریں گے۔

یہاں ہم جو کچھ بھی لکھ رہے یا لکھنا چاہتے ہیں اس کا مقصد بخاری و مسلم کی حدیث کا

رد نہیں بلکہ دشمنان اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر جو کچھ اچھلتے ہیں اسکا جواب مقصود ہے۔

بہر صورت یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس بخاری و مسلم کے راویوں سے زیادہ معظم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو تسلیم کئے بغیر ایمان و اسلام کا کوئی وجود نہیں۔ اور بخاری و مسلم کے راویوں پر ایمان لانا ہم پر لازم ہے اور نہ ان راویوں کی ذاتیات کا ایمان سے کوئی تعلق ہے۔

ہم تو ایک مومنانہ اور غالب علمائہ حیثیت سے صرف اتنی بات جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تو بہت اعلیٰ و ارفع بلکہ ہمارے تخیلات سے بھی زیادہ بلند و بالا ہے اگر کسی روایت سے کسی اور نبی کی شان نبوت پر عرف آتا ہو تو ہمارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی داستان کو زمین پر دے مارنا چاہئے۔

معاف کیجئے یہ الفاظ بھی ہمارے نہیں۔ محدثین جگہ جگہ یہ لفظ استعمال فرماتے ہیں اور ہم نے.. "اس روایت کو پھینک مارو" وہ تو معمولی سی غامی دیکھ کر یہ بات فرماتے ہیں۔ یہاں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کہہ کر کو بواہوس بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ آپ کی ذات کی خاطر لاکھوں ایسی روایات قربان کی جاسکتی ہیں۔ جو عن حشام بن عروہ کے ذریعہ مروی ہوں۔ اس لئے کہ یہ تمام سندت اور یہ تمام محدثین حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات کا کرشمہ ہیں۔ ہم انھیں آپ کی ذات پر قربان کرتے ہیں۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں اور محدثین نے اس کی صراحت بھی کی ہے کہ جو حدیث حسیات اور مشاہدے کے خلاف ہو یقیناً وہ موضوع ہوتی ہے حتیٰ کہ ابن جوزی تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو روایت عقل صریح کے خلاف ہو یقیناً وہ موضوع ہوگی بلکہ ایسی روایت کے راویوں پر بحث بھی فضول ہے۔ اور محدثین کرام نے اس اصول سے متعدد جگہ کام لیا ہے۔ اگر ہم نے لہنے اوپر پابندی عائد نہ کی ہوتی کہ ہم کوئی کتاب تحریر نہ کریں گے تو ہم اصول کی متعدد مثالیں قارئین کے سامنے پیش کر دیتے۔

ہم محدثین کرام کے اس فیصلہ سے بھی باخبر ہیں کہ کسی راوی کی صداقت یا کذب کا فیصلہ ایک فنی امر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ جسے ہم سچا سمجھ رہے ہیں وہ دراصل سچا نہ ہو اور جسے ہم جھوٹا قرار دے رہے ہیں فی الواقع وہ جھوٹا نہ ہو۔ اور یہ بھی یقینی شے نہیں کہ ہر جھوٹا آدمی ہمیشہ جھوٹ ہی بولتا ہو اور ہر سچا آدمی ہمیشہ سچ ہی بولتا ہو، کیونکہ کسی نے دوسرے

کادل چیر کر نہیں دیکھا۔

محدثین کرامؓ جب کسی شخص کے بارے میں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ صادق ہے۔ ثقہ ہے۔ نیک آدمی ہے تو وہ اس راوی کے ظہر کو دیکھ کر یا لوگوں سے سن کر فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ ان کا ایک ظن غالب ہوتا ہے۔ اور ہر صورت میں یہ امکان باقی رہتا ہے کہ فی الواقع وہ راوی صادق نہ ہو بلکہ دھوکہ دہی کے ذریعہ لوگوں میں نیک اور پارہاں بن گیا ہو۔ اور جسے وہ جھوٹا قرار دے رہے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ اسے اس کے دشمنوں نے بدنام کر دیا ہو، اور وہ واقعاً جھوٹا نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات راوی کے بارے میں محدثین کے فیصلے مختلف ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر عبدالرزاق بن ہمام کو دیکھ لیجیے۔ متعدد محدثین کا فیصلہ ہے کہ وہ ثقہ ہے۔ یعنی بن معین کہتے ہیں وہ شیعہ ہے۔ میرے سامنے فلاں فلاں بات ہوئی۔ احمد کہتے ہیں میں نے تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی۔ یزید بن زریع کہتے ہیں وہ تورافضی ہے اور اللہ کی قسم وہ تو واقعی سے زیادہ جھوٹا ہے۔

ہمارے لئے یہ تمام حضرات محدثین قابل احترام ہیں۔ ان کی آراء میں جو تعارض پیدا ہو رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات میں سے ہر شخص اپنا تجربہ اور مشاہدہ بیان کر رہا ہے۔ اور ظہر ہے کہ ہمیں ان حضرات کے فیصلوں میں سے ایک نہ ایک کو قبول کرنا ہے۔

ان حضرات محدثین کے پاس کوئی ایسا حرم یا آلہ موجود نہ تھا جس سے وہ راوی کی صداقت اور کذب بیانی کا پتہ چلاتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً ان حضرات میں ہرگز اختلاف واقع نہ ہوتا۔ اور ہمارے پاس بھی کوئی ایسا آلہ موجود نہیں اور نہ دنیا میں توج تک کوئی ایسا آلہ لکھا ہوا ہے جو سرنے والوں کی صداقت اور کذب بیانی کا پتہ چلا سکے۔

اس سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی کہ جب کوئی محدث یہ کہتا ہے کہ فلاں حدیث صحیح ہے اور فلاں روایت منکر ہے۔ تو وہ معلومات اور تحلیل پیش کرتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ فی الواقع اس کی رائے درست بھی ہو۔ لیکن جس نے اپنی رائے اور اپنے علم سے یہ فیصلہ دیا ہے، ہم اسے بھی ہرگز جھوٹا نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ وہ اپنی جانب سے جھوٹ نہیں بول رہا ہے۔

ایسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ ایک محدث کے پیش نظر امام احمد کا مشاہدہ ہو اور دوسرا جو اس راوی کی روایت کا انکار کر رہا ہے اس کے سامنے کسی اور محدث کا فیصلہ ہو۔

اس سے یہ نتیجہ سامنے آیا کہ جب محدثین یہ کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ ان کا اپنا ظن ہوتا ہے۔ اب اگر اسے کوئی قرآن کی طرح صحیح تصور کرنے لگے۔ یاد دہرا اس حدیث کی ذات پر اعتراضات شروع کر دے تو ہمارے نزدیک یہ دونوں اس لائق ہیں کہ ان کا دعائی علاج کرایا جائے کیونکہ "حلق جسے کہتے ہیں خلل ہے دماغ کا" فرق صرف یہ ہے کہ کسی کو اس کے صحیح ماننے کا حلق ہے اور کسی کو اس کی تکذیب کا حلق ہے کسی کو محدثین کی جاوید بات کا حلق ہے اور کسی کو ان کی دشمنی کا حلق ہے۔ کوئی انکار پرستی کا حلق ہے اور کسی کو اس بات کا حلق ہے کہ جو اسلاف کا نام لے اس کا منہ فوج لو۔ ہر صورت ہر دو حلق ہیں، اور بقول امام

العشاق

کہتے ہیں جس کو حلق خلل ہے دماغ کا

م۔ یہ بھی جلتے ہیں اور دنیا نے اسلام کا ہر فرد و بشر اس بات کو خوب جانتا اور اس پر ایمان رکھتا ہے کہ انبیاء کریم کے علاوہ کوئی معصوم نہیں۔ بلکہ وہ بھی سہو و نسیان اور خطائے اجتہادی سے پاک نہیں تو یہ تصور کہ بخاری و مسلم یا کوئی اور ثقہ راوی سہو و نسیان یا خطا سے پاک ہے۔ یہ براہ راست انبیاء کریم علیہم السلام کی ذات پر حملہ ہے۔ میں اس تصور کے سلسلے میں اس وقت صرف اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں کہ سہائوں نے صرف بارہ اماموں کو معصوم مانا تھا لیکن ہمارے سنی بھائیوں نے اپنی جہالت اور حماقت سے لاکھوں معصومین کی فوج تیار کر دی۔ بلکہ عالم بلا میں یہ معصومین اتنی تعداد میں جا لے ہیں کہ "اڑنی خبری ہے زبانی طیور کی" کہ وہاں ان کی مردم شماری ہونے والی ہے تاکہ ان کی باقاعدہ بستوں کا انتظام کیا جاسکے۔

بھی وجہ ہے کہ محدثین کریم ثقہ راویوں کی بعض روایات کو منکر قرار دیتے ہیں۔ کتب رجال میں اس کی لاتعداد مثالیں دستیاب ہو سکتی ہیں۔ علی ابن المدینی نے امام مالک کی تین روایات کو منکر قرار دیا ہے۔ احمد ابن حنبل نے سفیان بن عیینہ کی منکرات کی تعداد تیس سے زیادہ قرار دی ہیں۔ ابن حزم نے بخاری کی معراج والی روایت کو منکر قرار دیا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے صحابہ کی مرویات پر تنقید فرمائی اور فرمایا "میں یہ تو نہیں کہتی کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں لیکن کلن سننے میں غلطی کر جاتے ہیں۔" بخاری و مسلم میں اس قسم کی متعدد تنقیدات موجود ہیں۔ اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ بعض اوقات ادوی انتہائی صحیح ہوتا ہے۔ لیکن اس کی بیان کردہ روایت تب بھی غلط ہوتی ہے۔

کبھی اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ راوی نے لاجوری بات سنی ہوتی ہے۔ کبھی راوی

مفہوم غلط کچھ بٹھتا ہے، کبھی اس سے بھول واقع ہوتی ہے۔ ہم بھی بقول ہم المومنین یہ کہتے ہیں کہ راوی سے سننے میں غلطی ہوئی۔ جملہ بولا گیا تھا تسع عشرہ (انہیں) راوی نے صرف تسع (نو) کا لفظ سنا اور اس طرح اس داستان نے جنم لیا کہ بعض اوقات کان سننے میں غلطی کرتے ہیں۔

کیونکہ جب صحابہ کرام سے غلطی ہو سکتی ہے اور جب حضرت عمرؓ، ابوہریرہؓ، اور ابن عمرؓ وغیرہ غلطی کر سکتے ہیں تو عروہ بن الزبیر اور ابن کے صاحبزادے ہشام سے یقیناً غلطی ہو سکتی ہے۔ اور غلطی پکڑنے کی وجہ سے آج تک کسی نے ہم المومنین حضرت عائشہؓ کو منکر حدیث نہیں بنا تو اگر ہم ہشام کی غلطی بیان کرتے ہیں تو ہم کس قانون سے منکر حدیث ہوتے۔ کیونکہ کسی حدیث کا قائل اور شے ہے اور غلطی کی نشان دہی اور شے ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو عقل سلیم عطا فرمائے اسی طرح جھوٹ بولتا اور شے ہے اور غلطی کا صدور اور شے ہے۔

عمر عائشہؓ کے سلسلے میں ہم اس بات کے مدعی نہیں ہیں کہ بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت عائشہؓ کے نکل کے سلسلے میں جو روایت عن ہشام بن عروہ کی سند سے مروی ہے وہ موضوع ہے اور اس کا فلاں راوی کذاب ہے۔ ہم نے ایسا دعویٰ ہرگز نہیں کیا بلکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اس روایت میں ہشام سے غلطی ہوئی اور اس نے غلطی سے انہیں کو نو بنا دیا۔ جس کی ہمارے پاس مختلف دلیلیں ہیں۔ اگر کوئی دلیل بھی نہ ہوتی تب بھی، اس روایت کو ہم منکر قرار دیتے، اس لئے کہ ہمیں اس روایت کے راویوں سے کہیں زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عت پراری ہے۔۔۔۔

پہلی دلیل

یہ روایت تجربہ و مشاہدہ اور فطرت انسانی کے خلاف ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکا صدور ممکن نہیں۔ اگر ایسا وقوعہ پیش آتا تو اس دور کے مخالفین اسلام اور دشمنان رسول آپ کی عورت سے کھیلنا شروع کر دیتے اور جب مخالفین اسلام کی جانب سے کوئی اعتراض ظہور میں نہیں آیا تو یہ ثابت ہوا کہ ایسا کوئی فعل سرزد نہیں ہوا جو کسی دشمن کو انگشت نمائی کا موقع ملتا۔ لازماً اس روایت میں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہوئی۔ اور کیونکہ اس روایت کو عظام سے متعدد افراد نے نقل کیا ہے اس لحاظ سے تمام شبہات بحسام پر جا کر سرکوز ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس روایت کا مرکزی راوی ہے۔

دوسری دلیل

جو روایت عقل صریح کے خلاف ہو وہ باطل ہوتی ہے۔ یہ اصول ابن جوزی نے بیان کیا ہے اور یہ روایت قطعاً عقل کے خلاف ہے، ہم جیسے بد عقل انسان کی عقل اسے قبول نہیں کرتی۔ عقل کا تو کیا مسئلہ ہے۔ ہم نے آج تک تو جتنے عقلاء کو دیکھا۔۔۔ وہ یا تو اس کا انکار کرتے نظر آئے یا شک و شبہ کرتے نظر آئے۔

تیسری دلیل

جزیرۃ العرب اور دیگر گرم ممالک میں آج تک اس کی کوئی دوسری مثال دستیاب نہیں ہوئی۔ اگر ایسا ممکن ہوتا اور اس قسم کے واقعات گاہ بگاہ رونما ہوتے رہتے تو آج تک اس کی ہزار ہا مثالیں تاریخ میں موجود ہوتیں بلکہ موجودہ دور میں نہ صرف اخبارات کی زینت بنتی بلکہ دنیا کے اس گوشے سے اس گوشے تک ہر ملک کے ٹیلی ویژن اس کی تبلیغ میں مصروف ہو جاتے اور ہر ترقی یافتہ ملک لہنے لہنے سانس واتوں اور ڈاکٹروں کی ایک جماعت اس کام پر لگا دیتا اور ساہا سال اس کی تحقیقات ہوتی رہتی۔ حالانکہ اس قسم کا کوئی واقعہ آج تک دنیا کے سامنے

۱۱
 نہیں آیا۔ بلکہ ہمارے ہاں کے اخبارات میں اس قسم کے حادثات ضرور سامنے آتے رہے کہ کسی جہونی نے نو دس سالہ لڑکی کے ساتھ منہ کالا کیا۔ اور اس لڑکی کی موت واقع ہو گئی اور اس قسم کی حرکت کر لے والے شخص کو لوگوں نے جہونی کے نام سے نوازا اور آج تک ہمارے علماء اور محبان رسولؐ میں سے کسی کو اتنی جرأت نہیں ہوئی بلکہ اتنی توفیق نصیب نہیں ہوئی کہ اس سنت نبویؐ پہ عمل کرتے ہوئے اپنی نو سالہ لڑکی کو رخصت فرماتے اور احیائے سنت کا سہرا لپنے سر باندھتے۔ ہم تو کند ذہن ایک گنہگار انسان ہیں، ہمارے علماء اس کی عملی مثال ہمارے سامنے پیش فرمائیں تاکہ ہم جیسے کند ذہن آپ حضرات کی تقلید کر سکیں۔ یہ کہہ کر لوگوں سے بات نہیں منوائی جاسکتی کہ ہم تاریخ کو نہیں ملتے، آپ حضرات شاید یقین نہ فرمائیں کہ آج سے کچھ عرصہ پہلے تک ہمارے علماء اس بات پر مصر تھے کہ سورج اور چاند زمین کے گرد گھومتے ہیں، لیکن جب ان کے سامنے سائنسی حقیقتات پیش کی جاتیں تو ارشاد ہوتا کہ ہم سائنس کو نہیں ملتے۔ عوام کی زبان میں اسے یوں کہا جاتا ہے ”میں تو نہ مانوں“ چنانچہ اس معاملہ میں بھی عام طور پر یہی رویہ اختیار کیا گیا ہے۔

جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے ایک جانب تو دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہم تاریخ کو نہیں ملتے اور دوسرے ہی لمحہ حال یہ ہوتا ہے کہ تاریخ کی جھوٹی کہانیوں کے بل بوتے پر منبر سے یزید پلید کے نعرے لگنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور کربلائی داستانیں ہمارا ملاحظہ جس طرح دھراتا ہے، اتنی توفیق تو بے چارے مورخین کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ اسی لئے ہم تاریخ پر بعد میں گفتگو کریں گے پہلے ہم حدیث، اصول حدیث، رجال اور علل وغیرہ کی باتیں کر لیں۔ کیونکہ ان فنون کو ہمارے علماء تسلیم کرتے ہیں۔ ہم تو اس جانب ان کی توجہ منعطف کرنا چاہتے ہیں۔

چوتھی دلیل

ہم نے ہشام کی روایت کا بغور مطالعہ کیا۔ اس کے لئے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی ابن ماجہ، دہری اور مسند حمیدی کی سندات جمع کیں تو انہیں جمع کرنے کے بعد ایک نئے حقدے کا انکشاف ہوا۔ کچھ راوی تو اسے ام المومنین حضرت عائشہؓ کا قول بیان کر رہے ہیں اور کچھ نے اسے عروہ کا قول بیان کیا ہے۔ بہر صورت یہ حدیث رسولؐ تو ہرگز نہیں یا یہ قول عائشہؓ ہے یا یہ قول عروہ ہے جو تابعی ہے اور ام المومنین عائشہؓ کا صحابہ ہے۔ اگر یہ عروہ کا قول ہے تو

۱۲
 اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جب کسی روایت کے متصل اور
 موقوف ہونے میں راویوں کا اختلاف ہوتا ہے تو عام طور پر محدثین اسے موقوف قرار دیتے ہیں
 اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ عرودہ کا ایک تاریخی قول ہوا۔ جس کی حیثیت صرف ایک
 قول کی ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں اور عرودہ کے قول کو رد کرنا کوئی
 گناہ نہیں۔ ہمارے علماء اولاً اس کا متصل ہونا ثابت کریں تاکہ ہم غور کر سکیں ابھی تو ہم اسے
 قابل غور بھی نہیں سمجھتے۔

پانچویں دلیل

عرودہ سے یہ روایت نقل کرنے والا ان کا بیٹا ہشام ہے۔ ہمارے نزدیک اس روایت
 میں تمام گڑبڑ اسی ہشام کے باعث پیدا ہوئی ہے۔ علماء تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ بخاری و مسلم
 کا راوی ہے لہذا معصوم عن الخطا ہے۔ لیکن ہم نے اپنی زندگی کے متعدد سال رجال کی چھان
 بین میں صرف کچھ میں اور اس نتیجے میں ہم اس منزل پر پہنچے ہیں کہ ہشام کی زندگی کے دو دور
 ہیں۔ ایک مدنی دور اور ایک عریقی دور۔

مدنی دور ۱۳۱ھ تک قائم رہا۔ اس دور میں اس کے سب سے لام شاگرد امام مالک میں۔
 انہوں نے اپنی سوطاء میں متعدد روایات لی ہیں لیکن یہ نکاح دہلی روایت امام مالک کی کتاب
 میں دستیاب نہیں ہوتی۔

امام ابو حنیفہ بھی اسی دور کے شاگرد ہیں لیکن امام ابو حنیفہ نے بھی اس روایت کو کہیں
 نقل نہیں کیا۔

ہشام کا دور اور ۱۳۱ھ سے شروع ہوتا ہے۔ ۱۳۱ھ تک ہشام، سب کے نزدیک
 بلاشبہ ثقہ تھے اور حضرت عائشہ کی احادیث کا ایک مرکزی کردار تھے۔ لیکن جب انہوں نے ۱۳۱ھ
 میں اپنی بیٹی کی شادی پر ایک لاکھ اس اسید پر قرض لے کر خرچ کر ڈالے کہ غلیظہ وقت سے
 مدد لے لوں گا اور قرض اتار دوں گا۔ لیکن ہوا یہ کہ بنو امیہ کی حکومت تبدیل ہو گئی اور بنو
 عباس برسر اقتدار آگئے۔ یہ اسیدوں کا عمل سماتے ملحد لائیسٹ اور غلیظہ منصور کے سلطنتی دست
 موائل دراز کیا۔ اس نے اولاً تو طاقت شروع کی کہ تم کو کس الحق نے یہ مشورہ دیا تھا۔ لیکن یہ
 بھی پھوپھو بن کر منصور جیسے کنوس کمپی چوس کو چھٹ گئے۔ اور اس نے انہیں مجبور ہو کر دس

۲۳
 ہزار تھا دیا۔ یہ ان کا ہلا دماغی جھٹکا تھا۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے روایات میں بہکنا شروع کر دیا۔ وہ روایات جو لہنے و لہنے سے نہیں سنی تھیں وہ بھی لہنے و لہنے عروہ کی جانب سے منسوب کر دیں۔

لیکن اس امید پر کہ کچھ دن بعد علیہ وقت سے کچھ اور وصول کر لوں گا مدینہ چلے گئے۔ کچھ روز قیام کے بعد کچھ نئی امیدوں کے سہارے پھر عازم بغداد ہوئے اور اب کی بار تھوڑا بہت مال وصول کر ڈالا اور پھر مدینہ پہنچ گئے۔ غالباً قرض خواتینوں کا سد بند کرنے کے لئے لیکن کچھ عرصہ بعد پھر وارد بغداد ہوئے اور پھر ہمیشہ کے لئے یہیں مقیم ہو گئے۔ اور یہیں بغداد میں ۱۳۹ھ میں انتقال فرمایا۔ ان کی مرویات میں جتنی گڑبڑ ہے اب نہیں وہ سب سرزمین عراق میں ہوئیں۔ عراق پہنچنے کے بعد ان کے حلقے میں تفسیر یہ ابو گیا تھا۔

یعقوب بن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ ان کی کسی دولت کا انکار نہیں کیا گیا تھا۔ مگر جب یہ عراق گئے تو انہوں نے لہنے و لہنے عروہ کے واسطے سے بہت سی ایسی روایات بیان کیں جنہیں دل مدینہ سے برا تصور کیا۔ مدینہ میں رہتے ہوئے ہشام صرف وہی احادیث بیان کر سکتے جو انہوں نے لہنے و لہنے سے سنی تھیں۔ لیکن عراق پہنچنے کے بعد لہنے و لہنے سے منسوب کر کے وہ روایات بھی مرسل بیان کرنا شروع کر دیں جو انہوں نے لوگوں سے سنی تھیں۔ لہنے و لہنے سے نہیں سنی تھیں۔ لہذا ہشام کی وہ روایات جو لہنے و لہنے سے نقل کریں ان کا کوئی جبروسہ نہیں۔ (تہذیب التہذیب ص ۳۸ ج ۱)

اللہ تعالیٰ ابن جریر کو غریق رحمت کرے انہوں نے یعقوب بن ابی شیبہ کے حوالے سے کتنی عمدہ بات فرمائی ہے۔ انہوں نے تمام مسئلہ ہی حل فرما دیا ہے۔ کہ ہشام کی وہ روایات ناقابل اعتبار ہیں جو ان سے لہنے و لہنے سے نقل کریں۔ حضرت عائشہ کی رخصتی نو سالہ اور نکاح چھ سالہ ہشام سے لہنے و لہنے سے نقل کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جلاہ والی کہانی ہشام سے لہنے و لہنے سے نقل کی ہے۔ حضرت عائشہ کی گویں کھینچنے کی کہانیاں ہشام سے لہنے و لہنے سے نقل کی ہیں۔ قرین جلیقہ یعقوب بن ابی شیبہ اور حافظ ابن جریر کے کہ انہوں نے یہ بات کہہ کر کہ ہشام سے جو روایات لہنے و لہنے سے نقل کریں ان کا کوئی جبروسہ نہیں۔ انہوں نے ہمارے لئے سچائی کی راہیں کھول دی ہیں۔ انہوں نے لہنے و لہنے سے بخاری و مسلم کو خارج نہیں کیا۔ لہذا ہم بخاری و مسلم سے اب وہ احادیث نکالیں گے۔ جنہیں لہنے و لہنے سے ہشام سے نقل کیا ہو۔ اگر ہم ان سب کو ناقابل قبول قرار دیں تو بعد میں ہمارے علماء ناراض

نہ ہوں۔ ہمیں یہ اصول اسلاف ہی نے دیا ہے۔ ہم تو ان حضرات کے لئے دعاگو ہیں کہ ان حضرات نے یہ اصول پیش کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو عراقیوں کے ناجائز حملے سے محفوظ فرمادیا۔

حافظ ذہبی ہشام کے حالات لکھتے ہیں کہ آخری عمر میں ان کے حافظہ میں تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ اور ابوالحسن بن القطان کا دعویٰ ہے کہ آخری عمر میں احادیث اور ان کی سندات میں گڑبڑ کرنے لگے تھے۔ بلکہ حافظ عقلی نے تو یہاں تک تحریر کیا ہے **قد خرف اخو عمر** (اپنی آخری عمر میں سنبھلا گئے تھے)۔

ذہبی میزان میں تحریر فرماتے ہیں کہ جوانی میں ان کا حافظہ جیسا عمدہ تھا بڑھاپے میں باقی نہ رہا۔ اور عراق میں تو انہوں نے لوگوں کے سامنے بہت سی ایسی احادیث پیش کیں جنہیں یہ صحیح طور پر بیان نہ کر سکے۔ میزان الاعتدال، ج ۴، ترجمہ ہشام

امام مالک جو ہشام کے شاگردوں میں داخل ہیں اور جنہوں نے موطاء میں ہشام کی متعدد روایات نقل کیں۔ ان کا ایک دور تو وہ تھا کہ وہ ہر معاملہ میں ہشام کے قول کو حرف آخر تصور کرتے تھے۔ لیکن عراق پہنچنے کے بعد ہشام نے کارہائے نمایاں انہما دئے تو امام مالک بھی ان سے خوش نہ رہے۔ حتیٰ کہ عبدالرحمان بن خراش کا بیان ہے۔

وکان مالک لا یرضاه و نقم علیہ حدیثہ لاهل العراق

(امام مالک اسے پسند نہ کرتے۔ انہوں نے ان پر اہل عراق کی احادیث کے باعث اعتراض کئے ہیں۔)

اور ابن حجر نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ عراقی روایات کے باعث تمام اہل مدینہ نے ان پر اعتراضات شروع کر دئے۔

ابن ہشام کے ذہن پر یہ نو سال کچھ اس طرح بھوت بن کر سوار ہوتے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو بھی نو سالہ بنا ڈالا۔ ذہبی نے واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ فاطمہ بنت المنذر لہنے خاوند ہشام سے بڑی تھیں اور حافظہ ذہبی نے ہشام کے ان ارشاد عالی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ فاطمہ ہشام سے عمر میں تیرہ سال بڑی تھیں یعنی جب نو سال کی عمر میں وہ ہشام کے گھر رخصت ہو کر آئیں تو جناب ہشام کو ابھی تولد ہونے میں چار سال باقی تھے اور جناب ہشام نے اس وقت سے اپنی بیوی کا پلو بھی کسی کو دیکھنے نہیں دیا۔ ہم نے آج تک اس سے بڑی کراہت کوئی نہیں دیکھی۔ بزرگوں کی ہر بات سرائی ہوتی ہے۔ اس کو سمجھنا ہر ایک

کے بس کا کام نہیں۔ ذہبی نے بے ادبی سے کام لیتے ہوئے آگے یہ بھی بیان کر دیا کہ فاطمہ کی جب رخصتی عمل میں آئی تو اس کی عمر اٹھائیس اسی سال تھی۔ یعنی ہشام نے صرف اتنی کرامت دکھائی کہ اٹھائیس میں ”دو دہائی“ گرا کر نو کر دیا۔ اسی طرح ام المومنین کے معاملے میں انیس کی دہائی گرا کر نو بنا دیا گیا۔ لہذا اب ہمارا اس پر بحثہ یقین ہو گیا کہ ام المومنین نو سال کی عمر میں اسی طرح رخصت ہو کر آئیں جس طرح فاطمہ بنت المنذر نو سال کی عمر میں رخصت ہو آئی تھیں۔

حتیٰ کہ بقول حافظ ابن حجر یہ عقد ہشام نے خود ایک بار اپنی زبان سے ظاہر فرمایا تھا کہ میری بیوی مجھ سے تیرہ سال بڑی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی داوی حضرت اسماء سے احادیث سنی ہیں..... ہم کیا کہہ سکتے ہیں آخر یہ بخاری و مسلم کے راوی ہیں۔ ہاں ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ عراق کی آب و ہوائ نے اچھوں اچھوں کا دماغ خراب کر دیا۔

چھٹی دلیل

ہمیں حیرت اس پر ہے کہ عمر عائشہ کی کہانی ہشام سے نقل کرنے والے تمام راوی کوئی ہیں یا بصری ہیں۔ اس روایت کو نہ کوئی مدنی نقل کرتا ہے نہ مکی، نہ شامی اور نہ مصری، بلکہ عراق کے علاوہ تمام ممالک اسلامیہ میں سے ایک بھی راوی اسے نقل نہیں کرتا۔ کیونکہ ہشام سے یہ کہانی نقل کرنے والے حسب ذیل افراد ہیں۔

- | | |
|---|-----------------------------|
| ۱ | سفیان بن سعید الثوری الکوفی |
| ۲ | سفیان بن عیینہ الکوفی |
| ۳ | علی بن مسہر الکوفی |
| ۴ | ابو معاویہ الفرید الکوفی |
| ۵ | دکح بن طلحہ الکوفی |
| ۶ | یونس بن بکر الکوفی |
| ۷ | ابو سلمہ الکوفی |
| ۸ | حماد بن زید الکوفی |

۹۔ عہدہ بن سلیمان الکوفی۔ یہ نو افراد تو سر زمین کوفہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

دہلی بصرہ میں ہے۔

- | | |
|---|-----------------------|
| ۱ | حماد بن سلمہ البصری |
| ۲ | جعفر بن سلیمان البصری |
| ۳ | حماد بن سعید البصری |
| ۴ | دہب بن خالد البصری |

یہ ہیں وہ حضرات جو ہشام سے اس کہانی کو نقل کر رہے ہیں اور ہشام جب ۱۳۲ھ میں

عراق پہنچے تو ان کی عمر اکتیس سال تھی۔ اور اکتیس سال کی عمر تک مدینہ میں ان کو کوئی ایسا شخص نہ ملا جو ان سے یہ داستان نقل کرے۔

ایسی صورت میں یہ روایت دو حلال سے حلال نہیں۔ یا تو کوئی شخص نے اسے وضع کر کے بھٹام کی جانب منسوب کیا ہے یا واقعاً بھٹام پر عراق کی آہ و بھوانے اٹھا گہرا اثر ڈالا کہ انھیں لہفتہ آہ کی بھی خبر نہ رہی کہ اپنی بیوی فاطمہ بنتہ المذکورہ کو نو سال کی عمر میں اپنی بیوی بھٹام سے چار سال قبل رخصت کر کے لے آئے۔ یہ ایک ایسا تاریخی کارنامہ ہے جسے تاریخ تک روئے زمین کا کوئی اور شخص انہماک نہ دے سکا تھا۔ عراق پہنچنے کے بعد جب حائل و شعور کا یہ عالم ہو گیا تو قارئین خود ہی اندازہ فرما سکتے ہیں کہ نو سال کی عمر میں رخصت کی کیا حیثیت ہے۔

ہم خود بھٹام کے بہت مداح ہیں۔ اور ہمیں بھٹام کا ایک قول تاریخ تک حفظ ہے جو انھوں نے اپنی حلی زندگی میں فرمایا تھا۔ ہم نے تاریخ تک اسے اپنی گروہ سے باندھ رکھا ہے۔ قارئین آہ بھی یاد فرمائیں۔ کیونکہ مثل مشہور ہے کہ داشتہ آید بکار۔ ان کا قول زندگی میں بہت کام دے گا۔۔۔۔۔

انھوں نے فرمایا تھا۔

اذا حدد تک العراق بالفتح
حسب خلق سبع سناتہ و تسعين
و کن من الباقی فوا شک
جب تم سے کوئی عراقی ایک ہزار احادیث بیان کرے تو نو سو نوے تو زمین پر بھیجک مارو اور باقی دس میں بھی شک کرتے رہو۔

اگر ہم ان کے اس قول کو پیش نظر رکھیں تو بہت سے مسائل خود بخود حل ہوتے چل جائیں گے۔ اور ان کے ساتھ ساتھ محدثین کا ایک اصول بھی پیش نظر رکھئے جو شیخ نے عبد الرحمن بن عبدی نے نقل کیا ہے۔

اذا روينا في الحلال والحرام والا حکام ثم روينا في الا مانیہ و
امتصت علی الرجال و اذا روينا في الفضائل و الشوائب و العقب
سما نانی الا مانیہ و تسامحتنا فی الرجال۔

(شرح الخیث صفحہ نمبر ۱۳۰)

جب ہم حلال و حرام اور احکام کی احادیث روایت کرتے ہیں تو حدیث کے معاملہ میں شدت اختیار کرتے اور رجال پر تنقیح کرتے ہیں۔ انہیں جب ہم فضائل اور ثواب و عذاب کی روایات

بیان کرتے ہیں تو اس میں نرمی اختیار کرتے اور رجال کی طرف چشم پوشی اختیار کر لیتے ہیں۔
 عبدالرحمن بن ہمدی بخاری و مسلم کے اسناد میں فن رجال کے ایک اہم ستون ہیں۔
 وہ تمام محدثین کی جانب سے اس امر کا اعلان کر رہے ہیں کہ ہم سندت پر جو غور کرنے اور ان
 پر جرح و تعدیل کرتے ہیں وہ صرف ان احادیث میں کرتے ہیں جن کا تعلق حلال و حرام اور
 احکام سے ہوتا ہے۔ اور جن روایات کا تعلق ان امور سے نہیں ہوتا وہاں ہم راویوں کے
 معاملے میں نرم روش اختیار کرتے اور چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً فضائل سے متعلق
 روایات خواہ ان فضائل کا تعلق کسی شخص کی ذات سے ہو یا عمل سے، کسی بد عملی پر عذاب
 کی روایت ہو یا کوئی تاریخی واقعہ ہو تو اس قسم کے معطلات میں محدثین چھان بین نہیں کرتے
 غالباً یہی وجہ ہوگی کہ محدثین نے حضرت عائشہؓ کی نو سادہ عمر والی روایت پر کوئی بحث کرنا
 ضروری نہیں سمجھا۔ اور ممکن ہے کہ امام بخاری نے اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس
 قسم کی روایت میں نرم روش اختیار کی ہو جو آج قلم کا باعث بن گئی۔

ہم مذہبی داستاں حصہ دوم کے مقدمہ میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ صحیح بخاری کے چار
 نسخوں میں سے فربری کے نسخہ میں تین سو روایات زیادہ ہیں۔ اگر آج وہ تین نسخے موجود ہوتے
 تو ہم ان میں اس روایت کو دیکھ لیتے کیونکہ ہمارا امکان یہ ہے کہ یہ روایت یقیناً فربری کے نسخہ
 میں زیادہ ہے۔

اصول حدیث کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی راوی کا آخر عمر میں حافظہ خراب
 ہو جائے تو اس کی وہ روایات قبول نہیں کی جاتیں جو اس کے شاگردوں نے نقل کی ہوں
 جنہوں نے خرابی حافظہ کے بعد روایات سنی ہوں۔ حافظہ ابن حجر کا دعویٰ یہ ہے کہ بخاری نے
 اپنی کتاب میں کسی ایسے راوی کی روایت نہیں لی۔ لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے
 کہ عراق آتے کے بعد ہشام کا حافظہ جو اب دے گیا تھا۔ لیل عراق لے ان سے جو روایات نقل
 کی ہیں وہ خرابی حافظہ کے بعد نقل کی ہیں۔ امام بخاری کیلئے ہرگز یہ مناسب نہ تھا کہ وہ ہشام کی
 وہ روایات نقل کرتے جو ان سے لیل عراق نقل کر رہے ہیں۔ اصول اپنی جگہ ہے، یہ دوسری
 بات ہے کہ کسی فرد واحد یا طبقہ نے اصنت بالبخاری کا کلمہ پڑھا ہو۔ ہاں ہم سے کوئی
 اس کا مطالبہ کرے کہ ہشام کے علاوہ کوئی اور مثال پیش کرے تو ہمارے پاس اور بھی مثالیں
 موجود ہیں۔ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم بخاری کے مخالف ہیں۔ حاشا و کلام اصول گفتگو کر رہے ہیں۔
 قانون شخصیتوں سے تبدیل نہیں ہوتا۔

۱۸ ساتویں دلیل

یہ تو روایت ہشام پر بحث تھی۔ اب آئیے بخاری کی ایک اور حدیث کی جانب جو امام بخاری نے کتاب التفسیر میں ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ ام المومنین ارشاد فرماتی ہیں کہ جب مکہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

بل الساعة موعدهم والساعة ادهم وامر (القمر)

تو میں اس وقت لڑکی تھی اور کھیلتی پھرا کرتی تھی۔

یہ سورت القمر کی آیت ہے۔ اور یہ سورۃ قمر شق القمر کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔ شق قمر کا واقعہ ہجرت سے پانچ سال قبل کا ہے۔ مفسرین کا بیان ہے کہ یہ سورت سن ۴ نبوی میں نازل ہوئی اور اس وقت ام المومنین عائشہ ایک لڑکی تھیں اور کھیلتی پھرتی تھیں۔

ہمارے نزدیک یہ روایت ہشام کی روایت کے قطعاً مخالف ہے۔ اس لئے کہ ہشام کی روایت کی رو سے یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ ام المومنین سن ۵ نبوی میں پیدا ہوئیں۔ ہمارے تمام علماء اسی کے قائل ہیں لیکن بخاری کی روایت یہ ثابت کر رہی ہے کہ ام المومنین نے اپنی پیدائش سے قبل ہی یہ آیت یاد کر لی تھی اور اپنی پیدائش سے قبل ہی وہ مکہ میں کھیلتی پھرا کرتی

تھیں.... فیا للعجب

اس منزل پر پہنچ کر ہر شخص دو فیصلوں میں سے ایک فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا۔

۱ روایت ہشام درست ہے۔ اور یہ روایت ناقابل قبول ہے۔

۲ یہ روایت صحیح ہے اور روایت ہشام غلط ہے۔

علماء نے پہلا فیصلہ قبول کیا اور ہم نے دوسری شق کو اختیار کیا ہے۔ اگر ہم منکر حدیث میں تو ماشاء اللہ ہم سب ہی ایک منزل کے رہیں، اگر ہم بخاری کی حدیث سے منکر ہیں تو ماشاء اللہ ہمارے علماء ہم سے ہرگز پیچھے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ انداز فکر ہم نے انہی سے حاصل کیا ہے۔

یہ روایت یہ ثابت کر رہی ہے کہ ام المومنین سن ۴ نبوی میں اتنی عمر کی ضرور تھیں کہ لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی پھرتی تھیں۔ اور اسحاق طہر رکعتی تھیں کہ ان کو یہ معلوم تھا کہ یہ قرآن سمی آیت ہے اور اس وقت سے ان کے ذہن میں محفوظ بھی تھی۔ اگر ہم سن ۴ نبوی میں ان کی

عمر چھ سال بھی تسلیم کر لیں تو یہ خود بخود ثابت ہو جائے گا کہ ہم المؤمنینؓ بھٹت رسولؐ سے کم از کم دو سال قبل پیدا ہوئیں۔ اور اس حساب سے ان کی عمر سترہ سال بنتی ہے۔ لہذا فیصلہ کی صورت یہی ہے کہ ایک روایت کو قبول کرو اور دوسری کا انکار کرو۔ اور ہمارا جرم صرف اتنا ہے کہ ہم نے کتاب التفسیر کی روایت کو قبول کیا ہے۔ ہم ہرگز صحیح بخاری سے بلبر نہیں گئے..... وہ بے وقوف لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم حدیث کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ خود انکار حدیث کا شکار ہیں۔

آنکھوں و لیل

صحیح بخاری میں ہجرت کے سلسلہ میں ایک روایت ہم المؤمنینؓ سے مروی ہے جو ان سے مروی نقل کر رہے ہیں۔ اور عروہ سے زہری ناقل ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس روایت کو کسی عراقی نے نقل نہیں کیا۔ بلکہ اسے نقل کرنے والے راویوں میں دو مصری، ایک شامی اور دو مدنی ہیں۔

ہم المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ ”جب سے مجھے عقل آئی تو میں نے والدین کو دین اسلام پر پایا اور کوئی دن ایسا نہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی علیہ وسلم صبح و شام ہمارے یہاں تشریف نہ لاتے ہوں۔“

پھر جب مسلمانوں کو ستایا جانے لگا تو ابو بکر ہجرت کا ارادہ کر کے حبشہ کی جانب چل دئے۔ حتیٰ کہ جب مقام برک الغماد پہنچے تو قبیلہ قارہ کا سردار ابن الدغنه راہ میں ملا۔ اس نے سوال کیا، ”اے ابو بکر کہہ کر کے ارادے ہیں؟“ ابو بکر نے جواب دیا۔ ”میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے“، ابن الدغنه نے جواب دیا ”تم جیسا آدمی نہ نکلتا ہے اور نہ نکالا جاسکتا ہے۔ تم ناداروں کی مدد کرتے، صلہ رتی کرتے، بیگسوں کی کفالت کرتے، مہمانوں کی ضیافت کرتے اور دوسروں کے لئے حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہو۔ میں تمہیں اپنی حمایت اور پناہ میں لیتا ہوں، واپس چلو اور اپنے شہر میں رہ کر اپنے رب کی عبادت کرو۔“

پس ابو بکر لوٹ آئے اور ابن الدغنه بھی ساتھ آیا۔ ابن الدغنه شام کے وقت اشرف قریش کے پاس گیا۔ اور کہا ”ابو بکر جیسا آدمی نہ خود مجبور ہو کر نکلتا ہے اور نہ اس جیسی ہستی کو نکالا جاسکتا ہے۔ کیا تم ایسے شخص کو نکال رہے ہو جو نادار کی مدد کرتا، رشتہ داروں کے ساتھ

سلوک کرتا۔ گرے بوڑوں کو اٹھاتا۔ ہیمان نوازی کرتا اور حق کی ضرورت میں اعانت کرتا ہے۔ قریش نے ابن اللخند کی اس امان کو رد نہیں کیا۔ لیکن انھوں نے ابن اللخند سے کہا جاؤ ابو بکر سے کہو کہ ”لہنے رُب کی عبادت لہنے گھر میں کرے اور لہنے گھر میں نماز پڑھے اور جو چاہے لہنے گھر میں پڑھے لیکن ہمیں تکلیف نہ دے اور اپنی نماز کا اعلان نہ کرے اور لہنے گھر کے علاوہ کہیں اور قرأت نہ کرے۔“

یہ سمجھتے ہوئے ابو بکر کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ لہنے گھر کے صحن میں مسجد بنا ڈالیں۔ لہذا انھوں نے صحن خانہ میں مسجد بنا ڈالی اور اس میں نماز اور قرآن پڑھنے لگے، مشرکین کے بچے اور عورتیں اس پر حیرت کا اظہار کرتیں اور اس عمل کو غور سے دیکھتیں اور ابو بکر ایسے شخص تھے کہ قرآن پڑھتے تو ان کے آنسو بہنے لگتے۔

اشراف قریش اس صورت حال سے گھبرا اٹھے، انھوں نے ابن اللخند کو بلا بھیجا۔ وہ ان کے پاس آیا تو انھوں نے شکایت کی کہ ہم نے تیری امان کے باعث ابو بکر کو پابند کیا تھا کہ وہ لہنے گھر میں لہنے رُب کی عبادت کرے۔ لیکن اس نے عہد سے تہاؤز کرتے ہوئے گھر کے صحن میں مسجد بنا ڈالی اور نماز میں بلند آواز سے قرأت کرنے لگا۔ ہمیں ڈر ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے اس فتنے میں جھلکا نہ ہو جائیں لہذا اسے اس کام سے روکو، اگر ابو بکر کو یہ پسند ہے کہ وہ لہنے گھر میں عبادت کرتا رہے تو ٹھیک ہے اگر وہ اعلانیہ یہ کام کرتا ہے تو تیری امان واپس کر دے، ہمیں یہ اچھا نہیں لگتا کہ تیری امان توڑیں لیکن ہم ابو بکر کو اعلانیہ قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

ام المومنین فرماتی ہیں کہ ابن اللخند ابو بکر کے پاس آیا اور کہا تمہیں معلوم ہے کہ قریش نے جس چیز پر تم سے عہد کیا تھا اگر تم اس عہد تک رہتے ہو تو میرا ذمہ اور عہد باقی ہے ورنہ میری ذمہ داری واپس کر دو۔ مجھے یہ بات قطعاً پسند نہیں کہ عرب یہ بات سنیں کہ میں نے جس شخص کا ذمہ لیا تھا اس سے میں نے اپنا ذمہ واپس لے لیا ہے۔ حضرت ابو بکر نے جواب دیا میں تیرا ذمہ واپس کرتا ہوں اور میں اللہ کی ذمہ داری پر راضی ہوں۔ (بخاری ج ۱ ص

(۵۵۳)

اس حدیث میں ام المومنین حضرت عائشہؓ اہل بیت سے ہجرت حبشہ تک کی صورت حال کو ان دو جملوں میں ادا فرماتی ہیں کہ جب سے مجھے عہد آئی تو میں نے لہنے والدین کو اسلام پر پایا اور یہ دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح و شام ہمارے گھر تشریف

یہ اس حدیث کا ابتدائی حصہ ہے جو ام المومنینؓ نے ان جملوں میں اپنا مشاہدہ بیان فرمایا ہے کہ جب سے مجھے عقل و ہوش آیا تو میں نے یہ صورت حال دیکھی اور اپنے عقل و ہوش کا وہ دوسرا حصہ جسے ام المومنینؓ مجائب کا دور فرما رہی ہیں۔ وہ، وہ دور ہے کہ جس کے باعث سابقین اولین ہجرت حبشہ پر مجبور ہوئے۔ اور پھر اس میں اپنے والد ابو بکرؓ کی ہجرت حبشہ کی پوری کیفیت اور اس کا انہماک بیان کیا ہے۔

اس حدیث کا تیسرا حصہ جو ہم نے پیش نہیں کیا ہے ہجرت مدینہ پر مشتمل ہے۔ اور جب آپ ابو بکرؓ کے گھر سے ہجرت فرما کر باہر نکل آئے تو ام المومنینؓ کا انداز بیان قطعاً تبدیل ہو گیا۔ کسی حصے کے سلسلے میں فرماتی ہیں کہ یہ حصہ مجھ سے حاضر بن فہیرہ نے بیان کیا جو ابو بکرؓ کے غلام ہیں اور ہجرت میں شریک کار ہیں۔ سراقہ کے واقعے کا ذکر آیا تو فرماتی ہیں مجھ سے سراقہ نے بیان کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بعثت نبوی سے ہجرت مدینہ تک کی جو کیفیت اس حدیث میں بیان ہوئی ہے وہ ام المومنینؓ اپنا مشاہدہ بیان کر رہی ہیں۔ یعنی جس وقت سے ام المومنینؓ کو عقل آئی تو اس وقت سے ابو بکرؓ اور ام رومانؓ صاحب اسلام تھے اور جب سے ہوش سنبھلا تھا تب سے یہ دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روز آمد صبح و ظہام ان کے گھر تشریف لاتے وغیرہ وغیرہ۔

اس حدیث میں برطانیہ دعویٰ فرما رہی ہیں کہ بعثت نبوی کے وقت میں صاحب عقل و ہوش تھی اور یہ جو کچھ پیش آتا رہا میری نظروں کے سامنے ہوتا رہا۔ لیکن ہمارے علماء یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ ہشام کی روایت سے ثابت ہے کہ رخصتی کے وقت آپ کی عمر نو سال تھی۔ لہذا یہ واقعات ام المومنینؓ نے کسی سے سن لئے ہوں گے۔ مرزا غالب نے کیا خوب کہا تھا

بہا کہتے ہو چ کہتے ہو پھر کہو کہ ہاں کیوں ہو

ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ جب سے مجھے عقل آئی میں نے یہ صورت حال دیکھی۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ اس وقت تک وہ پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں۔ تو مختصر بات یہ ہے کہ ام المومنینؓ کی کرامت ہے کہ انہوں نے اپنی تخلیق سے پانچ چھ سال قبل کے حالات مشاہدہ کرنے امام بخاریؒ اس پر ایمان بھی لے آئے بلکہ اسے پیش کر دیا پھر بھی لوگ کہتے ہیں ہم بخاریؒ کی روایت کا انکار کرنے ہیں۔ آپ ہی حضرات فیصلہ فرمائیں کہ بخاریؒ کی روایت کا انکار کون کر رہا ہے؟ یہ فیصلہ ہم اپنے قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

اس تمام گفتگو سے یہ امر ثابت ہوا کہ بعثت نبوی کے وقت ام المومنین حضرت عائشہؓ ایک صاحب عقل اور باہوش بچی تھیں یعنی کم از کم پانچ چھ سال کی، یعنی اتنی عمر کی بچی کہ یاد رکھ سکیں ہمارے گھر کون آ جا رہا ہے اور والدین لیل مکہ کے برعکس کیا کر رہے ہیں اور یہ بچے کا وہ دور ہوتا ہے جس میں بچہ کو ہر بات کو سمجھنے اور کرید لگانے کی تمنا پیدا ہوتی ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اور ویسا کیوں ہوتا ہے۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ ام المومنینؓ بعثت کے وقت پانچ چھ سال کی ضرور تھیں۔ لہذا اس حساب سے رخصت کے وقت ان کی عمر انیس بیس بنتی ہے اور ام المومنینؓ اور حضرت فاطمہؓ ہم عمر ثابت ہوتی ہیں۔ لہذا اب یہ علماء پر موقوف ہے کہ خواہ ہشام کی روایت کو تسلیم کرتے ہوئے بخاری کی ان دو حدیثوں کو تاویل نای فراد کی مشین پر چڑھائیں یا انھیں قبول کرتے ہوئے ہشام کی غلطی کو تسلیم کریں۔

نویں دلیل

حضرت عائشہ صدیقہ رضی جہنا کا بیان ہے کہ اسامہ دروازے کی چوکھٹ پر سے پھسل گئے اور ان کے چہرے پر زخم آ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اسامہ سے گندگی دور کر دو، مجھے گھن آئی اسامہ تو خون کو چاٹنے لگے اور اسے لپٹے چہرے سے بٹانے لگے۔ یہ ابن سعد کی روایت ہے لیکن اسی قسم کی ایک روایت ابن ماجہ میں ان الفاظ میں مذکور ہے کہ اسامہ کی ناک پھینے لگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اٹھ کر اسامہ کی ناک صاف کروں مجھے گھن آئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اٹھ کر ناک صاف کی۔

ترمذی کی ایک روایت میں یہ مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کی ناک صاف کرنے کا ارادہ کیا تو ام المومنینؓ نے عرض کی مجھے اجازت دیجئے کہ میں ناک صاف کئے دیجی ہوں۔ آپ نے فرمایا اے عائشہؓ تو اسامہ سے محبت رکھ، کیونکہ میں بھی اسامہ سے محبت رکھتا ہوں۔ (ترمذی، ج: ۱، ص: ۲۳۶)

نیز بیہقی نے شعبی کے واسطے سے ام المومنینؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اٹھو اور اٹھ کر اسامہ کا منہ دھو دو، میں نے عرض کیا میرے کوئی

بچہ نہیں ہوا۔ لہذا میں نہیں جانتی کہ بچوں کے منہ کیسے دھوئے جاتے ہیں۔ آپ اسے پکڑ کر خود اس کا منہ دھو دیں۔ آپ نے اسامہ کو پکڑ کر خود اس کا منہ دھویا۔ اور فرمایا تو نے ہمارے لئے سہولت پیدا کر دی کہ تو لڑکی نہ ہوا اگر تو لڑکی ہوتا تو میں تجھے زیور سے سجاتا اور تجھ پر خوب مال خرچ کرتا۔

امام احمد نے بھی کے ذریعے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ اسامہ دروازے کی چوکھٹ سے گر پڑے۔ ان کے چہرے پر چوٹ لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مل مل کر صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ اے اسامہ اگر تو لڑکی ہوتا تو میں تجھے کپڑے اور زیور پہناتا اور تجھ پر خوب مال خرچ کرتا۔

ان روایات پر پھر نظر ڈالئے اور غور کیجئے تو آپ کو صاف محسوس ہو گا کہ حضرت اسامہ بن زید ام المومنین کے سامنے ایک بچہ ہیں جن کے کبھی چوٹ لگتی ہے۔ اور کبھی ناک بننے لگتی ہے کبھی ام المومنین اٹھ کر صاف کرتی ہیں اور کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام انہما دیتے ہیں۔ کبھی ام المومنین کو گھن آتی ہے اور کبھی ام المومنین یہ کہہ کر عذر کرتی ہیں کہ میرے کوئی بچہ تو نہیں ہوا جو مجھے بچوں کے منہ دھلانے کا تجربہ ہو۔

اول تو یہ بات کہ میرے کوئی بچہ نہیں نو دس سالہ بچی کی زبان سے نکل نہیں سکتی۔ یہ بات ایک اچھی عمر کی وہ عورت ہی کہہ سکتی ہے جو اولاد کی تمنا کر سکتی ہو۔

دوئم اس سے یہ امر بھی واضح ہو رہا ہے کہ حضرت اسامہ ام المومنین سے کافی چھوٹے تھے۔ اگر ام المومنین انکی ہم عمر ہوتیں یا ان سے چھوٹی ہوتیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز ام المومنین کو خون اور ناک صاف کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ کیونکہ اس قسم کا حکم ہمیشہ ایسے شخص کو دیا جاتا ہے جو اس بچہ سے ہر صورت میں بڑا ہو۔ کبھی ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ ایک دس سالہ بچہ کی خدمت پر ایک آٹھ سالہ بچہ کو مامور کر دیا جائے اور جو ایسا کرے وہ خود دنیا کے سامنے مضحکہ بن جائے گا۔

ہمارے علماء فرماتے ہیں جیسا کہ ہشام کی روایت میں آ رہا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ام المومنین کی عمر اٹھارہ سال تھی، لہذا یہ جاننا ضروری ہے کہ آپ کی وفات کے وقت اسامہ کی عمر کیا تھی؟

امام ذہبی نے "میر اعلام النبلاء" میں تحریر کیا ہے کہ اسامہ کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی۔ گویا یہ ایک تاریخی عجوبہ تھا کہ ایک لڑکی اپنے ہم عمر لڑکے کی ناک صاف کر رہی ہے۔ اور

۲۲
ولی الدین الخطیب مصنف مشکوٰۃ اپنی کتاب الاکمال فی اسماء الرجال میں لکھتے ہیں۔

قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو ابن عشرين۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۸۵)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو اسامہ کی عمر بیس سال تھی۔

یہ بھی محدثین و مورخین کے یہاں مسلمہ امر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں جو لشکر روم کے مقابلہ کے لئے ترتیب دیا تھا۔ اور جسے آپ نے شام پر حملہ کے لئے مامور فرمایا تھا تاکہ غزوہ موتہ کا انتقام لیا جائے اس لشکر کے سپہ سالار اسامہ تھے اور حضرت عمرؓ جیسے اشخاص ان کی ماتحتی میں دیئے گئے تھے۔ اس وقت ان کی عمر بقول ولی الدین الخطیب بیس سال اور بقول حافظ ابن کثیر انیس سال تھی۔

توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و عمر لا تسع عشرًا سنة

البدایة والنهاية ج ۸ : ص ۶۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو اسامہ کی عمر انیس سال تھی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بیعت کے بعد سب سے پہلا کلام یہی انہما دیا تھا کہ اس لشکر اسامہ کو روانہ فرمایا جو اللہ کے فضل سے کامیاب لوٹ کر آیا تھا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت اسامہ سن ۳ ہجری میں پیدا ہوئے اور یہ واقعہ کہ گھر کی دلیز سے گر کر زخمی ہو جائیں یا ان کی ناک بہہ رہی ہو یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا چہرہ دھلائیں یا ام المومنینؓ کو حکم دینا کہ اس کا منہ دھلا دو یا چہرہ صاف کر دو وغیرہ۔ اس قسم کے تمام واقعات حضرت اسامہ کے بچپن کے ہوں گے اور ام المومنینؓ کو یہ حکم اسی وقت دیا جاسکتا ہے کہ ام المومنینؓ کی عمر اسامہ سے زیادہ ہو۔ اور جب اسامہ ام المومنینؓ سے چھوٹے ہوئے اور ان کی عمر وفات رسول کے وقت انیس بیس سال ہوئی تو ام المومنینؓ ان سے کم از کم پانچ سال بڑی ہوں گی۔ تاکہ خون اور ناک صاف کرنے کے احکامات درست ثابت ہو سکیں

دسویں دلیل

ام المومنینؓ غزوہ بدر میں شریک تھیں

امام مسلم نے اپنی صحیح میں عروۃ بن الزبیر کے واسطے سے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے

وہ فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی جانب کوچ کیا جب آپ حرۃ الغریہ پہنچے تو ایک شخص آپ کے پاس آیا جس کی جرات و بہادری مشہور تھی، صحابہ کرام اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ جب وہ قریب آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوں اور آپ کے ساتھ میں بھی یہ تکلیف برداشت کروں۔ آپ نے فرمایا کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ واپس لوٹ جاؤ۔ میں کسی مشرک سے مدد کا طالب نہیں بنتا۔

ام المؤمنین فرماتی ہیں وہ شخص چلا گیا۔ لیکن جب ہم شجرہ پہنچے تو وہی شخص پھر واپس آیا۔ آپ نے اس سے پھر وہی سوال فرمایا کہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں آپ نے فرمایا میں کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کرتا لہذا وہ شخص واپس چلا گیا۔

ام المؤمنین فرماتی ہیں جب ہم مقام بیداء پر پہنچے تو وہی شخص پھر لوٹ کر آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر سوال کیا کہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اس نے جواب دیا ہاں آپ نے فرمایا اچھا تو چلو۔ صحیح مسلم ج ۲: صفحہ ۱۱۸

• ہمارے شارحین حدیث نے اگرچہ اس حدیث کی یہ تاویلات فرمائی ہے کہ ہو سکتا ہے ام المؤمنین کی ہم سے مراد صحابہ کرام ہوں اور خود اس ہم کی تفسیر میں داخل نہ ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ام المؤمنین بیداء تک حضور کو رخصت کرنے گئی ہوں۔ لیکن سچی بات یہ ہے تاویلات پڑھنے کے بعد ہمارا ہاضمہ خراب ہو گیا۔ اور کئی ڈکاریں آنے لگی ہیں۔

ہم تو ایام مسلم کی اس حدیث سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ غزوہ بدر میں شریک تھیں اور حورتوں میں وہ تنہا ہستی ہیں جو بدر یہ ہیں اور جن مورخین اور سیرت نگاروں نے یہ تقریر کیا ہے کہ ام المؤمنین کی رخصت خوال سن ۲ ہجری میں واقع ہوئی یا تو جنت الحقا کے باسی ہیں یا ان کا ذہن سہائیت کے ذریعہ ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ام المؤمنین کی رخصت خوال سن ۱ ہجری میں ہوئی۔ اور مسلم کی یہ حدیث اپنی جگہ درست ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ام المؤمنین جب غزوہ بدر میں شریک تھیں اور انکی رخصت سن ۱ ہجری میں واقع ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں پورے دس سال گزارے۔ مورخین نے جو نو سائل کی مدت بیان کی ہے یا ہشام کی روایت میں

جو نو سال کی مدت بیان کی گئی ہے وہ غلط ہے۔

حضرت عمرؓ نے لہنے دور خلافت میں صحابہ کے وظائف مقرر فرمائے تو بدرین کے وظائف غیر بدرین سے زیادہ متعین فرمائے۔ اور ازواج مطہرات کے جو وظائف متعین ہونے تو ام المومنین حضرت عائشہؓ کا وظیفہ ان سب سے زیادہ متعین کیا گیا۔ ہمارے مورخین عام طور پر یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ام المومنین کا وظیفہ اس لئے زیادہ متعین کیا گیا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ تھیں ہو سکتا ہے کہ یہ وجہ بھی ہو لیکن ہمارے نزدیک اصل وجہ یہ ہے کہ غزوہ بدر میں شریک تھیں اور یہ شرف کسی اور زوجہ کو حاصل نہ تھا۔ بلکہ روئے زمین کی کسی عورت کو یہ فخر حاصل نہیں۔

اللہ تعالیٰ امام مسلم پر رحمتیں نازل فرمائے کہ اتنی اعلیٰ سند سے یہ روایت پیش کی کہ کوئی مخرب کار کسی راوی پر انگشت نمائی نہیں کر سکتا۔ انھوں نے ایک واقعہ کے ذریعے یہ ثابت فرمادیا کہ ام المومنین بدر میں شریک تھیں اور سن اجمری میں زوجیت رسولؐ میں آئیں اور دس سال تک آپ کی زوجیت میں رہیں اور ہشام کی روایت میں جو زوجیت کے نو سال کا ذکر آ رہا ہے وہ درست نہیں۔

اللہ تعالیٰ امام مسلم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے جنہوں نے یہ واقعہ نقل کر کے عملی طور پر یہ ثابت کر کے دکھا دیا کہ ام المومنین کا کام گڑیاں کھیلنا نہیں تھا بلکہ ان کا محبوب مشغلہ تلواروں کا کھیل تھا بلکہ اسی کے سائے میں ان کی پرورش ہوئی تھی۔ یہی ان کی فطرت تھی کیونکہ تلواروں کے کھیل دیکھنے والی کوئی لڑکی گڑیاں نہیں کھیلا کرتی۔ یہ گڑیاں کھیلنا عجمی مشغلہ ہے عربی مشغلہ نہیں۔ یہ عراقی راوی لہنے علاقہ کی عورتوں کی فطرت کو ام المومنین کے سر توہننا چاہتے ہیں۔ اور غالباً پیش نظر یہ مقصد ہے کہ یہ کہنے کے لئے یہ راہ ہموار ہو جائے کہ جس لڑکی نے گڑیاں کھیل کر اپنا وقت گزارا ہو وہ قرآن و سنت کے مفہوم کو کیا جانے۔

اس روایت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ام المومنین نو سالہ لڑکی نہ تھیں اگر وہ نو سالہ لڑکی ہوتیں تو ان کا محاذ جنگ پر جانے کا کیا مقصد؟ کیونکہ جو بھی عورت محاذ جنگ پر جاتی ہے اس کے ذمہ جنگی اور فوجی خدمات ہوتیں ہیں جیسا کہ آئندہ سطور میں یہ بات سامنے آئے گی۔

غزوہ بدر کے سلسلہ میں ایک مشہور عام واقعہ یہ ہے کہ اس روز جو علم تیار کیا گیا وہ ام المومنین عائشہؓ کی اودھنی سے تیار کیا گیا تھا۔ اگر یہ واقعہ سچ ہے تو یہ اس امر کا مزید ثبوت

ہے کہ ام المومنین کی رخصت سن اجمری میں ہو چکی تھی اور وہ غزوہ بدر میں شریک تھیں۔ کیونکہ یہ بات تو بعید از قیاس ہے کہ ایک ایسی لڑکی کی اوڑھنی لے کر جو ابھی تک رخصت ہو کے نہ آئی ہو آپ میدان جہاد میں پہنچے ہوں یہ تصور بھی محال ہے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ نئی نوبلی وہن کی اوڑھنی اتار کر آپ اسے بدر کے میدان میں لے گئے ہوں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ آپ مقام ہمدان تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رخصت کرنے گئیں اور اپنی اوڑھنی بھی وہیں چھوڑ آئیں یہ شہرین فرماؤ کا قصہ نہیں۔ بلکہ صورت حال کچھ اس طرح پیش آئی ہوگی کہ اچانک جو جنگ سامنے آئی تو اس کے لئے علم تیار کرنے کا مسئلہ پیدا ہوا ہوگا۔ لشکر گاہ میں شاید کوئی ایسا کپڑا موجود نہ ہوگا جس کا علم تیار ہو سکے تو ام المومنین نے اپنی اوڑھنی عنایت فرمائی ہو اور خود سر پر رومال باندھ کر فوجی خدمات کے لئے تیار ہوئی ہوں اور عراقی راویوں نے اسے شہرین فرماؤ کے قصہ میں رنگ دیا۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ اوڑھنی ہندی زبان کا لفظ ہے عربی زبان میں بالاعدہ کوئی لفظ اس کے لئے نہیں پایا جاتا۔ ام المومنین نے اپنی چادر عنایت فرمائی ہوگی جسے ہمارے اردو مصنفین نے اوڑھنی میں تبدیل کر دیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مترجمین لال اوڑھنی کے چکر میں مبتلا ہوں۔

ہاں اتنی بات ضرور ذہن میں رکھیں کہ یہ تھنڈے مقام روجاء میں تیار کئے گئے تھے جو مدینہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ ایک تھنڈا انصار کے لئے تیار ہوا اور دوسرا ہماجرین کے لئے جو حضرت مصعب بن عمیر کو دیا گیا اور واقدی رافضی کا قول ہے کہ حضرت علی کو دیا گیا۔ جسے بعد کے سنی علماء نے جوہر روایت کو لہانا ایک دینی فریضہ تصور کرنے میں اس طرح فیصلہ دیا کہ ایک علم حضرت مصعب کو دیا گیا اور ایک حضرت علی کو اور شیعہ مورخین نے حضرت مصعب کا نام خارج کر کے حضرت علی کو علمبردار کی حیثیت سے مشہور کر دیا۔ ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرنے

آج ہمارے ہاتھوں میں جو تاریخ ہے وہ مسخ شدہ تاریخ ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں سبائی بچے پہلے ہی کاٹ چکے ہیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں جوڑنا اسی وقت ممکن ہے جب وہ ہمیں صحیح حالت میں کہیں سے دستیاب ہو جائیں۔ بہت سے لوگ تاریخ کی کھدائی میں مشغول ہیں۔ دیکھئے یہ احمق کب تک دستیاب ہوتے ہیں۔ اور اگر ظہر بھی ہو جائے تو اس امر کا کیا ثبوت

کہ وہ مصنوعی اعضاء نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مصنوعی اعضاء یا مصنوعی جسم کی بدولت اس
لنگڑے لو نے جسم سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں۔

جیسا کہ بغداد میں اس صدی کی ابتداء میں حضرت حذیفہ اور حضرت جابر بن عبد اللہ کی
لاشیں دستیاب ہو گئیں۔ حالانکہ حضرت جابر تمام مورخین و محدثین کے نزدیک مدینہ منورہ
میں بقیع میں دفن ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ مصنوعی قبریں اور ان کے کتبے بنو یسویہ کے دور میں تیار
کئے گئے ہوں یا ان حضرات نے مرنے کے بعد زیر زمین کوئی سرنگ نکالی ہو اور سفر کرتے
کرتے بغداد پہنچ گئے ہوں جیسے حضرت حسینؑ کی چار صاحبزادیاں لاہور پہنچ گئیں اور آج تک
نیک بیبیوں کے نام سے ان کے خزارات مشہور ہیں یا حضرت علیؑ بیک وقت نجف اور
بلوچستان میں کوہ مولا اور دکن کے کوہ مولا میں دفن ہو گئے ہوں۔ دراصل یہ سب باطنی راز
ہیں اور ہمارے پاس وہ نگاہ نہیں جو پس پردہ کی بات معلوم کر سکے اور ہمارے لئے تو ان
رازوں کو سمجھنا بھی محال ہے۔ اس لئے کہ سب سے بڑی رکاوٹ علم ہے کیونکہ العلم
حجاب الاکبر رازوں کو معلوم کرنے کے لئے سب سے بڑا حجاب علم ہے۔ اور اگر ہم
غزالی و رودی اور جنید و شبلی کی طرح کتابوں کو دریا برد بھی کر دیں تو اصل قصور تو اس سر
پھری کھوپڑی کا ہے اسے کہاں نے جائیں گے۔ اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ جہاں دجلہ
دفرات بھی نہیں جن کی برکات سے ہم کھوپڑی کو دھولیں اور جو کچھ پڑھا ہے وہ سب کچھ جو
ہو جائے۔ ہمارا ذہن تو یہ کہتا ہے کہ حسن بن صباح نے جنت کے بہانے جو لوگوں کو بھنگ
پلائی تھی یہ اسی بھنگ کے نتائج تھے کہ ہزاروں کتابیں دریا برد کر دی گئیں اور دماغی پرواز
باطن کی گہرائیوں تک پہنچ گئی۔ اور اگر ہم بھی ایسا کرتے تو کسی گدی پر بیٹھے لوگوں کی مشکل
کٹائی کرتے اور اگر نہ کر پاتے تو قیامت کے دن لوگوں کا ہاتھ ہوتا اور ہمارا دامن ہوتا۔ لیکن
افسوس یہ کہ ہم اس کے چکر میں زندگی گنوا بیٹھے کہ روز محشر سب برسبہ انھیں گے اور سب
نفسی نفسی پکارتے ہوں گے نہ وہاں کسی کا دامن ہو گا اور نہ گنہاں۔

گیارہویں دلیل

غزوہ احد ایک ایسا غزوہ ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہو گئے تھے۔
بخاری کی ایک حدیث کے مطابق آپ کے پاس صرف دو صحابہ رہ گئے تھے۔ سعد بن وقاص اور

طلحہ بن عبید اللہ، کچھ لوگ انفراتری میں مبتلا ہو کر دل چھوڑ بیٹھے تھے، کچھ لوگ تنہا معروف پہنکے تھے اور انہیں ایک دوسرے کی کوئی خبر نہ تھی، کچھ لوگ اپنی جانیں بچانے کے لئے بہاڑ پر چڑھ گئے تھے اور پورے لشکر میں یہ مہوور ہو گیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے

اس روز حضرت ابو طلحہ انصاری جو حضرت انس کے سوتیلے والد ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع فرما رہے تھے۔ باہر باہر عرض کرتے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ اپنی جگہ سے نہ اٹھتے کہیں آپ کے کوئی تیر نہ لگ جائے۔

یہ حیات نبوی میں وہ واحد جنگ ہے جس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ستر صحابہ نے جام شہادت نوش کیا۔ اور شاید ہی کوئی فرد ایسا ہو گا جو زخموں سے چور نہ ہو ہو۔ اس غزوہ میں چند عورتیں بھی شریک تھیں۔

اس سے قبل کہ ہم اس پر تبصرہ کریں کہ اس غزوہ میں کون کون سی عورتیں شریک تھیں۔ اور ان کی کیا کیا ذمہ داریاں تھیں۔ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض آمدہ خطرات سے واقف تھے۔ اسی لئے آپ نے چودہ سالہ لڑکوں کو اس غزوہ میں شرکت کی اجازت نہیں دی۔ ان کم عمریوں میں حضرت سمرقہ بن جندب، حضرت براء بن عازب، حضرت انس بن مالک، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن عمر شامل ہیں بلکہ ابن عمر تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ مجھے غزوہ احد میں شامل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس وقت میری عمر چودہ سال تھی اور سب سے پہلا غزوہ جس میں، میں شریک ہوا وہ غزوہ خندق ہے۔ لہذا جنگ میں شرکت کی حد کم از کم پندرہ سال ہے۔ بلکہ بعض ائمہ فقہاء نے ابن عمر کی اسی روایت کے باعث بلوغ کی حد کم از کم پندرہ سال بیان کی ہے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ میں شرکت کیلئے کم از کم عمر کی حد پندرہ سال رکھی تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی کم عمر لڑکی کو غزوہ میں شرکت کی اجازت دیا جائے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ جنگ میں جو عورتیں شریک ہوتیں ان کی متعدد ذمہ داریاں ہوتیں۔ زخموں کو میدان جنگ سے اٹھانا۔ ان کا علاج صحابہ، زخموں اور مجاہدین کو پانی پلانا بلکہ بوقت ضرورت انہیں اسلحہ پہنائی کرنا۔ ظاہر ہے کہ میدان جنگ میں یہ امور انہما دینا ہر عورت کے بس کا کام نہیں تھا کہ اس سلسلہ میں نو دس سالہ بچیوں سے کام لیا جائے۔

۲۰
 عورت اتنے اہم کام اسی وقت انہام دے سکتی ہے جب وہ کچھ نہ کچھ فنون حرب سے
 بھی واقفیت رکھتی ہو۔ اور ضرورت پڑنے پر لہنا و دفاع کر سکتی ہو۔ بلکہ استادل بھی رکھتی ہو
 کہ ضرورت پڑنے پر میدان کارزار میں اترنے کے لئے تیار ہو۔

ہم جب ان امور پر غور کرتے ہیں تو ہمارا ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ کام
 کسی کس شخص کے سپرد نہیں کئے جاسکتے۔ اور جب کہ چودہ سالہ بچوں کو بھی اس میں شرکت کی
 اجازت نہیں دی گئی۔ لہذا اس جنگ میں جو عورتیں شریک ہوئی ہوں گی وہ جوان العمر اور
 تجربہ کار ہوں گی اور تمام اونچ نیچ کو اچھی طرح سمجھتی ہوں گی۔

ام عمارہؓ: اس غزوہ میں جو عورتیں شریک تھیں ان میں ام عمارہؓ تھیں جو نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم کی مدافعت میں شریک تھیں۔ ان کے جسم پر اس روز تیرہ زخم آئے۔ ان کی مرہم پٹی
 خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لپٹے آپ کھڑے ہو کر کرائی۔

انہوں نے ابن قریہ کا مقابلہ کیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مارا
 تھا۔ یہ اس پر لاشی کا وار کر رہی تھیں اور وہ ان پر تلوار سے حملہ کر رہا تھا۔ حتیٰ کہ ایک وار
 سے وہ نیچے گر گیا۔ اور اس کا سر کھل گیا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے۔

انہوں نے مسیلہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں بھی حصہ لیا۔ اور باقاعدہ جنگ کی
 جس میں ان کے بارہ زخم آئے۔ حتیٰ کہ ان کے ہاتھ اس جنگ میں بے کار ہو گئے۔
 جو عورتیں باقاعدہ جنگ میں شریک نہیں ہوتیں وہ بھی مسلح ہوتیں۔

ام سلیمؓ: ابن سعد نے نقل کیا ہے احد کے روز ام سلیمؓ کے پاس خنجر موجود تھا۔
 حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حسینؓ کی جنگ میں ام سلیمؓ ایک خنجر لئے ہوئے تھیں۔
 ابو طلحہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ام سلیمؓ ہیں اور ان کے پاس خنجر
 موجود ہے۔ ام سلیمؓ نے سنا تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ خنجر لپٹنے پاس
 اس لئے رکھتی ہوں کہ اگر کوئی کافر مسلحے قریب آئے تو میں اسکا ہیٹھ بھاڑ دوں۔ (طبقات ابن
 سعد ج ۸: ص ۴۲۵)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی کہ کسی غزوہ میں شرکت کسی بچی کا کام
 نہیں اور پھر حضرت ام سلیمؓ جو حضرت انسؓ کی والدہ ہیں ایک سخت عمر کی تجربہ کار عورت ہیں۔
 اور اکثر غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوتیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ - ہم سطور بالا میں ثابت کر چکے ہیں کہ
 ام المؤمنین حضرت عائشہؓ غزوہ بدر میں ایک عورت کی حیثیت سے شریک تھیں - اور جنگ احد
 میں بھی حضرت ام سلیم کے ساتھ مصروف کار تھیں -

حضرت انس فرماتے ہیں میں نے عائشہ بنت ابی بکر اور ام سلیمؓ کو دیکھا - وہ دونوں
 پانچ چڑھائے تھیں اور مجھے ان کی ہنڈیوں کے پچھلے حصے نظر آ رہے تھے - یہ دونوں مشکیں اوپر
 اٹھائے ہوئے تھیں اور مہابدین کو پانی پلاتیں - پھر جا کر انھیں بھر کر لاتیں اور مہابدین کو پانی
 پلاتیں - (بخاری ج ۱ صفحہ نمبر ۴۰۳)

یہ پانی پلانے کا عمل میدان جنگ میں جاری تھا - ظاہر ہے یہ عمل ایک مسلح اور تجربہ
 کار عورت کا تو ہو سکتا ہے لیکن ایک دس سالہ کسب اور نا تجربہ کار بچی کا نہیں ہو سکتا - اس
 کے لئے مشک اٹھانا بھی دشوار عمل ہے - کجا کہ ام سلیمؓ جیسی تجربہ کار عورت کے ساتھ برابر کا
 شریک ہونا خود اس امر کا ثبوت ہے کہ ام المؤمنینؓ ہرگز اس وقت کم عمر نہ تھیں - اور جب کہ
 یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس جنگ میں چودہ سالہ لڑکوں کو بھی شرکت کی اجازت
 نہیں دی گئی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ام المؤمنینؓ دس سال کی عمر میں اس کام پر مامور کی جاتیں
 اور اگر انھوں نے یہ خدمت بلا اجازت رسول انہام دی بھی تو اس پر کیوں خاموشی اختیار کی
 گئی اور اگر تہیہ کی گئی تو ہر دو امور کے ثبوت درکار ہیں - ۱۔ قارئین کرام یہ تمام گفتگو حدیث
 کے نقطہ نگاہ سے تھی اب کچھ تاریخی گفتگو بھی ہو جائے جس سے ان تمام مباحث کی تائید ہوتی ہے

بارہویں دلیل

تمام محدثین اور مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اپنی بڑی
 بہن اسماءؓ سے دس سال چھوٹی تھیں - اور حضرت اسماءؓ کا انتقال ۶۳ھ میں سو سال کی عمر میں ہوا
 اس لحاظ سے جب ہم دیکھتے ہیں تو حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت مدینہ کے وقت حضرت
 اسماءؓ کی عمر ستائیس یا اٹھائیس سال تھی - ستائیس میں سے جب دس خارج کئے جاتے ہیں تو ام
 المؤمنینؓ کی عمر ہجرت کے وقت سترہ اٹھارہ سال بنتی ہے - اور رخصتی کے وقت اگر وہ ۱۷ھ میں
 ہوئی تو انیس سال اور ۱۸ھ میں ہوئی تو بیس سال بنتی ہے -

۳۲
ولی الدین الخلیب اپنی "الاکمال فی اسماء الرجال" میں رقمطراز ہیں۔

وہی ام عبداللہ بن الزبیر اسلمت بمکتہ قدیما قبل اسلمت
بعد سبعتہ عشر انسانیا و ہن اکبر من اختہا بعشر منین و ماقت
بعد قتل انبہا بعشرۃ ایام و قیل بعشر ین یوماً بعد ما انزل
انبہا من الخشبہ و لعاماتہ سنۃ ذالک منتہ ثلاث و سبعین
بمکتہ. (مشکوٰۃ ص ۵۵۶)

اسمہؓ عبد اللہ بن الزبیر کی والدہ ہیں کہ میں ابراہیمؓ ہی اسلام لائیں۔ کہا جاتا ہے کہ سترہ افراد
کے بعد اسلام لائیں۔ وہ اپنی بہن عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔ اور اپنے بیٹے کے قتل کے
دس دن بعد وفات پائی۔ ایک قول یہ ہے کہ بیس دن بعد جب ابن الزبیر ہمہالی سے اتار دئے
گئے۔ ان کی عمر سو سال ہوئی اور یہ وقوعہ مکہ ۶۴۳ء میں پیش آیا۔
حافظ بن عمر - تقریب الخلیب - میں لکھتے ہیں۔

عاشت ماتتہ سنۃ و ماقت منتہ ثلاث و سبعین اوار بع و
سبعین (تقریب الخلیب ص ۵۶۵)
اسمہؓ سو سال زندہ رہیں ۶۴۳ء یا ۶۴۲ء میں انتقال ہوا۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی مشہور کتاب "البدایہ والنہایہ" میں تحریر فرماتے ہیں۔ اسماءؓ کی
بہن عائشہؓ ہیں، ان کے والد ابو بکر صدیقؓ، ان کے دادا ابو قحافہؓ، ان کے بیٹے عبد اللہؓ اور ان کے
خبر زبیرؓ ہیں۔ اور یہ سب کے سب افراد صحابی ہیں۔

حضرت اسماءؓ اپنے بیٹے عبد اللہؓ اور اپنے شوہر کے ساتھ معرکہ یرموک میں شریک تھیں
یہ اپنی بہن عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔

اسی سال یعنی ۶۴۳ء میں جیسا کہ ہم نے پہلے تحریر کیا ہے انہیں اپنے بیٹے عبد اللہ بن
زبیر کے قتل کا سانحہ دیکھنا پڑا۔ اس واقعہ کے پانچ دن بعد، بقول بعض دس دن بعد بقول
بعض کچھ اور ہیں دن بعد اور بقول بعض سو دن بعد حضرت اسماءؓ نے وفات پائی اور یہی
مشہور ہے، وفات کے وقت ان کی عمر سو سال تھی، نہ ان کا کوئی دانت ٹوٹا تھا نہ ان کی عقل
میں کچھ نقص پیدا ہوا تھا۔ البدایہ والنہایہ ج ۵: ص ۴۴۶

یہی کچھ حافظ ذہبی نے اپنی کتاب "سیر اعلام النبلاء" میں تحریر کیا وہ فرماتے ہیں۔

۲۲
 "اسماء بنت ابی بکر حضرت عائشہ سے دس سال کچھ اوپر بڑی تھیں" سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۰۸
 جہدار حسن بن ابی الزناد کا بیان ہے کہ اسماء عائشہ سے دس سال بڑی تھیں۔ عروہ کا
 بیان ہے کہ اسماء کا انتقال سو سال کی عمر میں ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۱۳)

حافظ ذہبی، حافظ ابن کثیر اور ولی اللہ بن الخطیب کا شمار محدثین میں ہوتا ہے۔ یہ
 حضرات صرف سورخ نہیں بلکہ محدث اور ماہر رجال ہیں۔ یہ حضرات ام المومنین حضرت عائشہ
 اور ان کی بہن اسماء کی عمروں میں دس سال کا تفاوت بیان فرما رہے ہیں۔ اور اس حساب سے
 ام المومنین کی عمر نکاح کے وقت سولہ سال اور رخصتی کے وقت انیس سال بنتی ہے۔ جو اس
 امر کا مزید ثبوت ہے کہ ہشام کی روایت میں ان سے دہائی کا عدد چھوٹ گیا ہے اور غلطی سے
 صرف اکتالی نقل ہو گئی۔ اور انیس کا نو بن گیا۔ اب اگر ہشام و ابی رولت ہی پر ایمان لانا ہے
 اور ام المومنین کو جب تک نو سال کا ثابت نہ کیا جائے تو ہمارے علماء کا کھانا ہنجم نہیں ہوتا
 تو اس کا بہل طریقہ یہ ہے کہ حضرت اسماء کی عمر گھٹا کر دس سال کم کر دی جائے۔ لیکن یہ
 کہنے سے کام ہرگز نہ چلے گا کہ ہم تاریخ کو نہیں ملتے اس لئے ہم نے مورخین کے بھائے محدثین
 کے حوالے پیش کئے ہیں۔ اور اسی لئے ہم نے ابجد میں تاریخ کی کوئی روایت پیش نہیں کی تھی
 لہل مدینہ کیونکہ یہ جلتے تھے کہ ہشام پر عراق کی آج وہو اثر انداز ہو گئی ہے۔ لہذا انہوں نے
 اس خلاف عقل روایت کو نقل ہی نہیں کیا۔

تیرھویں دلیل

مورخ محمد بن جریر طبری حضرت ابو بکر کے حالات میں رقم طراز ہیں:
 ابو بکر نے زمانہ جاہلیت میں دو نکاح کئے۔ ایک قلیبہ سے جن کے بطن سے عبداللہ اور
 اسماء پیدا ہوئے اور دوسرا نکاح ام رومان سے کیا جن کے بطن سے عائشہ اور جہدار حسن پیدا
 ہوئے۔ پھر کہتے ہیں۔

فھو لاء الاربعۃ من اولاد لاولد ومن زوجیہ التیین سمیتھا
 فی الجاہلیتہ

تاریخ طبری ج ۲ ص ۵۰

یہ چاروں اولادیں ان دو بیویوں سے پیدا ہوئی ہیں جن کے نام ذکر کئے گئے ہیں، یہ تمام اولاد

زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئیں۔

اس پر خور فرماتے کہ فرقہ سہابیہ حضرت عائشہؓ کی عمر پیش کر کے ہم المومنینؓ کا مذاق اڑاتے ہیں اور مورخ طبری خود خالص شیعہ ہے۔ لیکن وہ اس کا اقرار کر رہا ہے کہ ہم المومنینؓ زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئیں اور یہ بات تو غالباً ہر مسلمان جانتا ہے کہ بعثت رسول سے قبل کا زمانہ دور جاہلیت کہلاتا ہے۔ اب اگر ہم المومنینؓ بعثت سے چند ماہ قبل بھی پیدا ہوئی ہوں تو رخصتی کے وقت ان کی عمر پندرہ سال بنتی ہے۔ اور ہم نے سطور بالا میں یہ ثابت کیا ہے کہ ہم المومنینؓ بعثت سے کم از کم پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ اس لحاظ سے اتنا تو یقینی ہے کہ ہم المومنینؓ انیس سال کی عمر میں رخصت ہوئیں۔ ہاں یہ امکان ضرور ہے کہ ان کی عمر اس سے کچھ زیادہ ہو اس سے کم کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

ہمارا نظریہ یہ ہے کہ یہ تمام کھیل کو فیوں کی لہاد ہے۔ کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ نبوت کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں اور نکاح کے وقت ان کی عمر نو سال تھی حتیٰ کہ تحفۃ العوام میں جو ان کی اردو زبان میں فقہ کی کتاب ہے یہ تحریر ہے کہ جب لڑکی کی عہونو سال ہو جائے تو اس کی شادی کر دی جائے۔ لہذا کو فیوں نے اپنی اس فریب کاری پر پردہ ڈالنے کے لئے دوسروں کو نگو بنانے کی کوشش کی اور ہم المومنینؓ کی عمر کا ہوا کھڑا کر دیا۔ اور اس ہونے کی اطاعت سنی حضرات نے دل کھول کر کی اور ان کو یہ جواب نہ دے سکے کہ تم حضرت فاطمہؓ کی عمر خود نو سال ملتے ہو۔ لیکن مشکل یہ درپیش تھی کہ سنی حضرات نے یہ فیصلہ دے دیا تھا کہ یہ بات غلط ہے اور حضرت فاطمہؓ نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔

اگر حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ کی عمروں کے درمیان جو دس سالہ تفاوت ہے اس کو پیش نظر رکھا جائے تو بعثت نبوی کے وقت حضرت اسماءؓ کی عمر چودہ سال بنتی ہے۔ اس لحاظ سے ہم المومنینؓ کو بعثت سے چار سال قبل پیدا ہونا چاہئے۔ گویا ہم المومنینؓ اور حضرت فاطمہؓ تقریباً ہم عمر ہوئیں۔ اور ہر دو کی عمروں میں دس سال کا تفاوت پیدا کیا گیا اور اس قسم کے کارنامے اہل کوفہ ہی انہما دے سکتے ہیں۔

چند حرمیں دلیل

مورخ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں

کا تذکرہ "السابقون الاولون" کے عنوان سے کیا ہے۔ ہم المؤمنین حضرت خدیجہ سے ابتداء کرتے ہوئے مردوں و عورتوں اور بچوں کا تذکرہ ترتیب وار ایک فہرست میں پیش کیا ہے لکھتے ہیں۔

حضرت خدیجہ کے بعد ابو بکر صدیق کی وصیت پر عثمان ابن عفان، زبیر بن العوام، عبد الرحمن بن حوف، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبید اللہ (بشمول زید و علی اور ابو بکر) یہ آٹھ آدمیوں کی جماعت ہے جو ابو بکر کے ہاتھ پر اسلام لائی اور جنہوں نے اسلام کی جانب سبقت کی۔ پھر ابو عبیدہ بن الجراح اسلام لائے اور ابو سلمہ بن عبد الاسد اور ارثم بن ابی الارثم (انہی کے مکان میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ سے چھپے ہوئے تھے) آپ لوگوں کو خفیہ اسلام کی وصیت دیتے تھے۔ ان کا مکان صفاہبہاڑی پر واقع تھا۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کی تعداد حضرت عمر کے اسلام پر چالیس ہو گئی۔

جب مسلمان پورے چالیس ہو گئے تو یہ لوگ باہر نکل آئے اور عثمان بن مظعون اور ان کے بھائی قدامہ اور عبد اللہ اور عبیدہ بن الحارث اور سعید بن زید اور ان کی بیوی فاطمہ یعنی عمر بن الخطاب کی بہن اور اسماء بنت ابی بکر اور عائشہ بنت ابی بکر (وہ ان دنوں چھوٹی تھیں) اور خباب بن الارت۔ (ابن ہشام ج ۱ / ص ۶۵)

ابن ہشام کی تصریح کے مطابق یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "السابقون الاولون" میں حضرت خدیجہ کو شامل کرنے کے بعد حضرت اسماء کا نمبر انبیواں اور ہم المؤمنین کا نمبر بیسواں ہے یعنی ہم المؤمنین حضرت عائشہ حضرت عمر کے اسلام لانے سے کافی قبل سن انبوت میں مشرف باسلام ہو چکی تھیں۔ یعنی اگر ہشام کی روایت کو قبول کر لیا جائے تو ہم المؤمنین اپنی تخلیق سے چار سال قبل مشرف باسلام ہو چکی تھیں۔ قربان جائے اس کرامت کے اتنی بڑی کرامت تو بڑے بڑے پر صاحبان بھی نہ دکھاسکے۔ آج تک ہم ماور زاد وئی اور ماور زاد امام کی کہانیاں تو پڑھتے آئے لیکن ماور زاد بیعت رسول کا یہ فسانہ اپنا شاہکار آپ ہے۔

حافظ ابن کثیر رقم طراز ہیں۔

ابن اسحاق نے ترتیب وار ان صحابہ کے نام گنائے ہیں جو ابتداء میں اسلام لائے پھر مشرورین کے لو افراد گنانے کے بعد ابن اسحاق کہتے ہیں پھر ابو عبیدہ اسلام لائے پھر ابو سلمہ اور ارثم بن ابی الارثم اور عثمان بن مظعون اور عبیدہ بن الحارث اور سعید بن زید اور ان کی بیوی فاطمہ بنت الخطاب اور اسماء بنت ابی بکر اور عائشہ بنت ابی بکر ایمان لائیں اور یہ اس وقت کم عمر

اس جگہ ابن اسحاق نے حضرت عثمان بن مظعون کے دونوں بھائیوں قدامہ اور عبد اللہ کا ذکر چھوڑ دیا ہے جو حضرت اسماء اور حضرت عائشہ کا نمبر سترواں اور اٹھارواں بن گیا اور اگر دونوں کے نام داخل کر لئے جائیں تو ہم المومنین کا نمبر وہی بیسواں آتا ہے۔

بعض یہی تفصیل محدث سہیلی نے اپنے مشہور کتاب الروض الانف میں دی ہے۔ اس تمام تفصیل سے یہ امر تو واضح ہو گیا کہ ہم المومنین سابقین اولین میں داخل ہیں اور نبوت کے پہلے سال ایمان لائیں۔ اگرچہ وہ اس وقت کم عمر تھیں لیکن اتنی عمر تو یقیناً ہوگی کہ وہ اسلام اور ایمان کے مفہوم کو سمجھ سکیں۔ لازماً وہ نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں اور اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی۔

حیات سید العرب کا مصنف سابقین اسلام کا ذکر کرنے ہوئے لکھتا ہے کہ سب سے اول ورقہ بن نوفل ایمان لائے۔ اس کی تانبہ حافظ بلقین اور حافظ عراقی نے کی ہے۔ ابن مندہ ابن حجر، طبری، بلخی، ابن قلیح، اور ابن السکن وغیرہ نے ورقہ کا شمار صحابہ میں کیا ہے۔ ورقہ کے بعد سب سے اول حضرت خدیجہ ہیں۔ ان کے بعد مردوں میں ابوبکر، پھر میں حضرت علی، موالی میں زید بن حارثہ۔ پھر ام ایمن۔ پھر رومان زوجہ ابوبکر، پھر ام خیر والدہ ابی بکر پھر اسماء بنت ابی بکر۔ اور یہ مورخین میں مسلمہ امیہ کے حضرت عائشہ اور حضرت اسماء ساتھ ایمان لائیں۔ اس طرح ہم المومنین کا نمبر دسواں بنتا ہے۔

ابن سعد لکھتے ہیں کہ سب سے اول جو عورت ایمان لائیں وہ حضرت خدیجہ ہیں۔ ان کے بعد ام الفضل ہیں جو حضرت عباس کی زوجہ تھیں۔ پھر اسماء بنت ابی بکر اور عائشہ ہیں۔ اور بھی قول ابن عباس کا ہے۔

لیکن انیسویں وہ حضرات جو ہشام کی روایت کا شکار ہوئے انہوں نے اس کی ترویج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس وقت تک تو ہم المومنین پیدا بھی نہیں ہوئیں تھیں اور سب سے زیادہ حیرت تو شہلی مرحوم پر ہے جنہوں نے سیرت النبویہ ج ۱ میں سابقین اولین کی فہرست میں ابوبکر کے خاندان کے کسی فرد کا ذکر نہیں کیا اور اس طرح انہوں نے ہم رومان، ہم ام خیر، اسماء اور عائشہ کے نام اس فہرست سے خارج کر دیے۔ اور نہ صرف یہ تاریخی کارنامہ انہما دیا بلکہ حضرت خدیجہ کے علاوہ کسی عورت کا نام لینا گوارا نہیں کیا۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی صاحبزادیوں کا بھی ذکر نہیں کیا۔ لیکن وہ حضرت علی کو قلعہ مہول کے۔

عظیم عبدالرؤف دانا پوری نے چونکہ اپنی "اصح السیر" شبلی کی "سیرت النبی" کے جواب میں تحریر کی ہے۔ لہذا انہوں نے سابقین اسلام کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے۔ اس فہرست میں سولہویں نمبر پر حضرت اسماء اور سترہویں پر ام المومنین حضرت عائشہ کا ذکر کیا ہے۔۔۔۔۔ لیکن کیونکہ ہشام کی روایت ان کے ذہن سے چمکی ہوئی تھی اس لئے نیچے حاشیے میں تحریر فرمایا۔

صحیحین کی روایت یہ ہے کہ ان سے حضور نے عقد کیا تو چھ برس کی تھیں اور ایک روایت ہے سات برس کی اور جب زفاف ہوا تو نو برس کی تھیں۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ زفاف شوال میں ہجرت کے پہلے سال ہوا۔

ان کی پیدائش بخت کے چار یا پانچ برس بعد ہوئی۔ باوجود اس کے ان کا شمار قدم الاسلام لوگوں میں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ گویا شروع ہی سے مسلمان تھیں۔ (اصح السیر ص ۶۳)

عظیم صاحب کو اس امر کا طائل ہو رہا ہے کہ ام المومنین کو قدم الاسلام لوگوں میں کیسے شمار کر لیا گیا وہ تو اس وقت موجود بھی نہ تھیں، اسلئے کہ صحیحین کی روایت (ہشام) کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کے چار پانچ سال بعد پیدا ہوئیں۔ گویا کہ ام المومنین خاندان مسلمان تھیں اور غالباً یہی سوچ کر حکیم صاحب نے حضور کی صاحبزادیوں حضرت زینب اور حضرت رقیہ کے ایمان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ گویا آج تک جو بھی بہکا ہے وہ امی ہشام والی روایت کے باعث بہکا ہے۔ جس پر ہم ابتدائے مضمون میں بحث کر چکے ہیں۔ یہ روایت اس طرح دماغوں پر چھلنی کہ تمام روایات اور تمام احادیث اس کے مقابلے میں نظر انداز کر دی گئی۔ ہشام کا تو آخری عمر عرق میں اگر دماغ خراب ہوا تھا لیکن اس نے اوروں کا جو کافی میں ایسا دماغ خراب کیا کہ انہیں اس کے سوا پوری کتب احادیث اور تاریخ میں کچھ نظر نہ آیا اور جس طرح طوطا خطرے کے وقت آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اپنی عافیت امی میں تصور کی کہ آنکھیں بند کرنی جائیں۔

پندرہویں دلیل

مورخین کا ایک دعوٰی یہ بھی ہے کہ ام المومنین کا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے نکاح ہوا اس سے قبل ام المومنین کا رشتہ جبیر بن مطعم بن عدی سے پاک ہو چکا تھا۔
ابن سعد نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
عائشہؓ کیلئے ابو بکرؓ کو پیغام دیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسولؐ میں مطعم بن عدی بن نوفل کو اس
کے پیٹے جبیر کے لئے زبان دے چکا ہوں۔ آپ مجھے اتنی اجازت دیجئے کہ میں کسی طرح اس سے
بچھا چھڑا لوں۔ ابو بکرؓ نے مطعم اور اس کے پیٹے سے بچھا چھڑا لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے ان کا نکاح فرمایا۔

ابن سعد نے ایک اور روایت عبد اللہ بن نمیر کے واسطے سے عبد اللہ بن ابی ملیکہ سے
ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ النی ابی بکر
الصدیق فقال یا رسول اللہ انی کنت اعطيتها لمطعم بن عدی
لا بنفد غنی حتی اسلھا منھم فطلقھا فتزو جھار رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ صفحہ ۵۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہؓ کیلئے ابو بکرؓ کو پیغام دیا۔ ابو بکرؓ نے عرض کیا یا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عائشہ کو مطعم بن عدی کے پیٹے کے لئے دے چکا ہوں مجھے اتنی
مہلت دیجئے کہ میں اس سے چھٹکارا پا لوں۔ جبیر نے انھیں طلاق دیدی۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔

ہم نے یہ عربی عبارت اس لئے پیش کی ہے تاکہ ہر ایک اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لے
کہ اس رشتہ کی بات مطعم بن عدی سے ہوئی تھی اور اس نے اپنے پیٹے جبیر بن مطعم بن عدی کے
لئے ام المومنین کو مانگا تھا۔

لیکن اللہ بھلا کرے شبلی کا کہ انہوں نے نامعلوم کس رو میں یہ لکھ مارا۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں۔ (سیرت النبی ج:
جلد ۲۰۵)

حالانکہ حضرت عائشہؓ جبیر سے منسوب تھیں۔ ان کے پیٹے سے منسوب نہیں تھیں۔ اس
وقت تک جبیر کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے علامہ شبلی سے غلطی واقع ہوئی ہو پھر یہ
غلطی بعد کے مصنفین کے لئے مایہ ناز بن گئی۔

سید سلیمان ندوی مرحوم اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:-

لیکن اس سے پہلے عائشہ جبر بن مطعم کے بیٹے سے منسوب تھیں۔ اس لئے اس سے پوچھنا بھی ضروری تھا۔ سیرت عائشہ صفحہ ۱۵
نیاز فتح پوری صاحب لکھتے ہیں:-

حضرت عائشہؓ اس وقت تک جبر بن مطعم کے بیٹے سے منسوب ہو چکی تھیں۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے جبر سے پوچھا۔ (صحایات صفحہ نمبر ۳۶)

مولانا سعید اکبر آبادی مرحوم موجودہ دور کے ایک بہت بڑے محقق تھے رقم طراز ہیں

وہ بولے "میں جبر بن مطعم کو زبان دے چکا ہوں" لیکن جب جبر بن مطعم سے اس معاملہ میں بات چیت کی گئی تو اس نے انکار کر دیا۔ (سیرت الصدیق صفحہ نمبر ۱۶)

آپ حضرات نے دیکھا کہ ان تمام حضرات نے یہ تو تسلیم کیا کہ ام المؤمنینؓ کی بات پہلے ہو چکی تھی۔ لیکن ان تمام حضرات کو خود یہ علم نہیں کہ یہ بات کس سے پکی ہوئی تھی۔ بلکہ انہوں نے شبلی کا بیان دیکھ کر مکھی پر مکھی ماری ہے اور بھائے جبر کے اس کے ایک ایسے فرضی بیٹے سے منسوب کر دیا جو تا حال وجود میں بھی نہ آیا تھا۔ اور کسی نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ ابن سعد اٹھا کر دیکھ لیں۔ ان کی غرض کتاب لکھتے سے تھی۔ اور جب انہیں سیرت نبویؐ سے مواد دستیاب ہو گیا تو کیا ضرورت تھی کہ وہ بلاوجہ دماغ سوزی کرتے۔ یہی وہ نکتہ ہے کہ ہر پہلے گزرنے والے شخص کو محصوم مان لو اور اس کے بارے میں یہ تصور بھی نہ کرو کہ اس سے غلطی ہو سکتی ہے۔ مردہ پرست قوم اس کے علاوہ سوچ بھی کیا سکتی ہے ہم اگر اس قسم کی غلطیوں کو پکڑنا شروع کریں تو ایک نئی ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔ میرے خیال میں اس کا نام "اظلاط المصنفین" موزوں رہے گا۔

مورخ محمد بن جریر طبری نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے اور لکھا ہے

جب ابو بکر صدیق کفار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آگئے اور انہوں نے سن ۵ ہجرت میں حبشہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کیا تو انہوں نے سوچا کہ جانے سے قبل اپنی بیٹی عائشہ کو سسرال کے حوالے کر جائیں اور بعد میں حبشہ کی جانب ہجرت کریں۔

لہذا ابو بکر مطعم کے پاس گئے۔ اس کی بیوی بھی وہاں موجود تھی مطعم نے اپنے بیٹے جبر کے لئے عائشہؓ کو مانگا تھا۔ جب ابو بکرؓ نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو مطعم کی بیوی نے ابو بکرؓ سے

۲۰
 کہا۔ اگر ہم اپنے بیٹے کی شادی تمہاری بیٹی سے کر دیں تو تم اسے بھی بے دین بنا لو گے (یعنی مسلمان) اور جس مذہب کو تم نے اختیار کیا ہے اس میں میرے بیٹے جبر کو بھی شامل کر لو گے۔ ابو بکرؓ نے مطعم کی جانب متوجہ ہو کر کہا کہ یہ تمہاری بیوی کیا کہہ رہی ہے (یعنی کس طرح رشتہ سے انکار کر رہی ہے) مطعم نے جواب دیا بات تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہمیں تم سے اور تمہاری بیٹی سے یہی اندیشہ ہے۔ یہ سن کر ابو بکر وہاں سے چلے آئے۔ (طبری ج ۱ ص ۴۹۳)

طبری کی اس روایت سے متعدد امور سامنے آئے

- ۱ یہ رشتہ جبر سے ہوا تھا نہ کہ جبر کے بیٹے سے
- ۲ حضرت ابو بکرؓ نے جب ہجرت حبشہ کا ارادہ کیا تو ام المومنینؓ یا تو جوان ہو چکیں تھیں یا قریب البلوغ تھیں۔ جب ہی حضرت ابو بکرؓ کو ہجرت حبشہ سے قبل بیٹی کی فکر دامن گیر ہوئی۔ ہشام کی روایت کی رو سے تو اولاد ام المومنینؓ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی ہوں گی اور اگر پیدا ہو بھی گئیں تھیں تو دو چار ماہ کی ہوں گی۔ تو یہ ہشام ام المومنینؓ کو دو چار ماہ کی عمر میں رخصت کرنا چاہتے تھے؟

فیما للعجب آیا اس قسم کا کوئی حادثہ پیش آیا تھا کہ اے ابو بکرؓ اگر تیرے اب کوئی لڑکی ہوئی تو وہ میری بہو بنے گی۔

۳ اس سے یہ امر بھی ثابت ہوا کہ ابو بکرؓ کی طرح ابن کی بیٹی عائشہؓ بھی تبلیغ اسلام میں مشہور ہو گئیں تھیں تب ہی تو مطعم کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ ابو بکرؓ کی بیٹی اس کے بیٹے کو گمراہ (مہابی) کر دے گی۔ لہذا ایسے رشتہ سے دور ہی اچھے۔ تو اس سے خود بخود یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ۵ بنوت میں ابن کی اتنی عمر ہو گئی تھی کہ وہ کافی نگہداری کی عمر کو پہنچ چکی تھیں اور تبلیغ دین کر سکتی تھیں۔

۴ اور یہ بھی دنیا کا ایک ایک فرد جانتا ہے کہ کسی باپ کو بیٹی کی فکر اس وقت ہوتی ہے جب وہ جوان ہو جائے تو لازماً اس وقت ام المومنینؓ کی عمر اس منزل پر پہنچ گئی ہوگی کہ حضرت ابو بکرؓ کو ان کی فکر لاحق ہوئی۔ ہم جب اس لحاظ سے سوچتے ہیں تو ہماری سوچ ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ ام المومنینؓ کی عمر اس وقت کم از کم پندرہ سال تو ضرور ہوگی۔ اس لحاظ سے جب اس حساب کو نے کر آگے بڑھتے ہیں تو رخصتی کے وقت ان کی عمر ۲۵ سال بنتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ عمریں کم کرنے کا ایک اعلیٰ ریکارڈ ہے۔

۴۱ سولھویں دلیل

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ام المومنین عائشہؓ اور ام المومنین سوودہ کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ترغیب خولہ بنت حکیم نے دی تھی جو حضرت عثمان بن مظعون کی زوجہ تھیں اور حضرت عثمان بن مظعون آپ کے رضاعی بھائی تھے اس لحاظ سے یہ خولہ آپ کی بھانج ہوئی تھیں۔ خولہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نکاح کیوں نہیں فرمالتے۔ یہ بات خولہ نے اس وقت فرمائی جب ام المومنین حضرت عدیجہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس سے نکاح کروں۔ خولہ نے جواب دیا خواہ کنواری سے اور خواہ بیوہ سے۔ آپ نے فرمایا کنواری کون ہے اور بیوہ کون ہے؟

خولہ نے جواب دیا کہ آپ کو جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عزیز ہے کنواری اس کی بیٹی عائشہؓ ہے اور بیوہ سوودہ بنت زمعہ ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا تم دونوں جگہ میرا تذکرہ کر کے دیکھو۔

یہ واقعہ ایک طویل تفصیل کے ساتھ حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے اور اس واقعہ کو بیہقی اور مسند احمد کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ مسند احمد اور بیہقی تاریخ ہی کتابیں نہیں بلکہ حدیث کی کتابیں ہیں۔ اور ابن کثیر نے ان کی روایات پر کوئی جرح بھی نہیں کی۔ اس لحاظ سے یہ دلیل مورخانہ نہیں مہمانہ ہے۔

عربی زبان میں نابالغ لڑکی کیلئے جار یہ اور اس لڑکی کیلئے جو بالغ ہو بکر کا لفظ بولتے ہیں۔ صحیحہ ہماری اردو زبان میں کنواری کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یہ لفظ آٹھ نو سالہ بچی پر نہیں بولا جاتا بلکہ بالغ لڑکی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

البکر تسناذن فی نفسھا واذنھا صماتھا (مسلم)

باکرہ سے اس کے نکاح کے سلسلے میں اجازت لی جائے اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔ اور اسی لئے عربی زبان میں لفظ بکر ثیب کے مقابلے میں آتا ہے اور ثیب اس لڑکی کو کہتے ہیں جس کی چھلے شادی ہو چکی ہو۔ پھر خواہ اس کا خاوند مر گیا ہو یا اس نے طلاق دے دی ہو جس کے لئے ہم اردو زبان میں لفظ عورت استعمال کرتے ہیں۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو کسی کنواری لڑکی کو عورت کہہ کر تماشا دیکھ لیجئے اسی لئے اس حدیث کا دوسرا جملہ ہے۔

اور شیب ولی سے زیادہ اپنی جان کی حقدار ہے۔

یہ لفظ بکر کے مقابلہ میں بولا گیا ہے۔ مسند احمد اور بیہقی کی اس روایت میں بھی خولہ نے عرض کیا بکر او شیباً بکرہ بھی ہے اور شیب بھی ہے۔

یہ لفظ بکر (کنواری) اس امر کا ثبوت ہے کہ جب خولہ بنت حکیم نے اس کا تذکرہ کیا تو عائشہؓ بالغہ اور جوان تھیں۔ ورنہ اگر وہ چھ سال کی بچی ہوتیں تو خولہ یہ الفاظ کہتیں جارہتے دیشباً (ایک کم عمر لڑکی اور ایک عورت موجود ہے) اتنا بڑا صریح جھوٹ نہ ہوتیں۔ وہ عجی نہ تھیں جو عربی سے ناواقف ہوں۔ لہذا ان سے جملہ میں غلطی واقع ہو گئی ہو اس کا بھی امکان نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح و شام ابو بکر کے گھر تشریف لے جاتے جیسا کہ سابقہ صفحات میں بخاری کے حوالے سے ذکر ہو چکا ہے۔ ایسی صورت میں کیا حضورؐ کو اس امر کا بھی احساس نہ ہو سکا کہ خولہؓ جسے کنواری لڑکی بنا رہی ہیں وہ تو ایک چھ سالہ بچی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ فرمانا چاہئے تھا کہ اے بھابی (خولہؓ) آپ کا دامنی تو اذن بھی درست ہے یا نہیں۔ آپ میرے سلنے ایک ایسی بچی کو کنواری بنا کر پیش کر رہی ہیں جسے میں صبح و شام دیکھتا ہوں اور ظاہر ہے ایسی کوئی بات پیش نہیں آتی۔ بلکہ جب خولہؓ نے ابو بکرؓ کو پیغام دیا تو ابو بکرؓ نے جواب دیا میں تو عائشہؓ کے لئے مطعم کو زبان دے چکا ہوں۔ اچھا مجھے اتنی بہت دو کہ میں اس معاملہ کو خوش اسلوبی سے مختادوں حالانکہ ابو بکرؓ کو یہ عذر پیش کرنا چاہئے تھا کہ وہ تو ابھی بچی ہے۔ کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔

یہ تمام امور اس بات کا ثبوت ہیں کہ حضرت عائشہؓ اس وقت بچی نہ تھیں۔ ورنہ ابو بکرؓ اور خولہؓ بنت حکم دونوں کو احق تسلیم کرنا ہوگا۔ اور نبی کریمؐ کی ذات اقدس پر جو رکیک حملہ ہو گا وہ جداگانہ۔

لہذا خولہؓ نے آپ کے سلنے جو بیان فرمایا تھا کہ ایک کنواری موجود ہے۔ وہ صحیح فرمایا تھا۔ اس پر نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتراض ہوا نہ ابو بکرؓ کو۔ اگر یہ نکل اس وقت ہوا ہوتا جب ام المومنینؓ کی عمر چھ سال تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا امتداد اذایا جاتا جتنا دس گیارہ سال میں بھی نہ اڑایا گیا ہو۔ کیونکہ مشرکین کو ایک بہت عمدہ حلیہ بافقہ آجاتا۔ اور ہم ہرگز بھی یہ تصور نہیں کر سکتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ جیسے معاملہ فہم اشخاص اس قسم کی غلطی کا ارتکاب کرتے اور خود کو لوگوں کی زبانوں اور نگاہوں کا نشانہ بناتے۔

ہم بھی جھٹے اس کے قائل تھے کہ ام المومنین کی رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی۔ اور ہم بھی ایک زمانہ تک اسی سوچ کے حافی رہے کہ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ لیکن جب ہم نے خالی الذہن ہو کر کتب احادیث و تاریخ اور رجال کا مطالعہ کیا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہم اب تک بیٹڈک کی طرح کنویں میں چھلانگیں مار رہے تھے۔ لیکن اب ہم اس منزل پر پہنچ گئے ہیں کہ ہمارے لئے دجلہ و فرات اور طلیح فارس بھی بچ ہیں۔ اب دعا صرف یہ ہے کہ ہمارے علماء بھی اس کنویں سے باہر نکل آئیں اور دیکھیں کہ یہاں پاکستان میں کتنے دریا بہ رہے ہیں

مترحوں دلیل حضرت عائشہؓ کی رخصتی

ابن سعد نے طبقات میں عمرہ بنت عبدالرحمن سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ام المومنین سے دریافت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کب رخصت کیا۔ انہوں نے جواب دیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مجھے اور اپنی لڑکیوں کو مکہ میں پیچھے چھوڑ گئے۔ مدینہ آنے کے بعد آپ نے ہمیں لینے کے لئے زید بن حارثہ کو روانہ فرمایا اور ان کے ساتھ اپنے غلام ابورافعؓ کو روانہ فرمایا اور انہیں دو اونٹ اور پانچ سو درہم دئے۔ یہ درہم آپ نے ابو بکر سے لئے تھے۔ اور یہ درہم زید بن حارثہ کو اس لئے دئے گئے تھے تاکہ وہ دونوں اس سے ضرورت کا سامان اور مزید سواری خرید سکیں۔

ابو بکر نے ان دونوں کے ساتھ عبداللہ بن اریقطہ دہلی کو دو یا تین اونٹ دے کر بھیجا اور اپنے بیٹے عبداللہ کو لکھا کہ ان کے کنبے کو سوار کرا دے۔ یعنی میری ماں ام رومان اور اسماء (زبیر کی بیوی) ہم سب ساتھ نکلے۔ جب ہم قدید پہنچے تو زید بن حارثہ نے پانچ سو درہم سے تین اونٹ خریدے اور ہم نے لکھے سفر شروع کیا۔ راہ میں طلحہ بن عبید اللہ طے وہ بھی ہجرت کے ارادے سے نکلے تھے اور ابو بکر کے گھر والوں کے ساتھ سفر کرنا چاہتے تھے (غالباً ہم خاندان ہونے کے باعث)

زید بن حارثہ، ابورافع، فاطمہ، ام کلثوم، اور سودہ بن زمرہ کو نے کر چلے۔ نیز زید بن حارثہ نے اپنی بیوی ام ایمن اور اپنے بیٹے اسماء کو ساتھ لیا۔ اور عبداللہ بن ابی بکر ام رومان اور اپنی دونوں بہنوں کو نے کر چلے اور طلحہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہونے۔ جب ہم بیٹس کے

مقام پر پہنچے جو مئی کے قریب ہے میرا اونٹ بدک کر دوڑ پڑا۔ اور میں محض میں تھی۔ میری ماں چلانے لگی ہائے میری بیٹی۔ ہائے میری دلہن۔ یہاں تک کہ لوگوں نے ہمارے اونٹ کو پالیا۔ اور وہ ٹیلے سے نیچے اتر آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا۔

جب ہم مدینہ پہنچے تو میں ابو بکر کے کلبے کے ساتھ اتری۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عائدان مسجد کے گھروں میں اترنا۔ اور آپ اس وقت مسجد اور اس کے گرد پھرے ہوا رہے تھے۔ پس ہم کچھ دن ابو بکر کے گھر رہے۔

پھر ابو بکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آخر آپ کو کس بات کی رکاوٹ ہے جو آپ اپنی بیوی کو رخصت نہیں کراتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مہر کی رکاوٹ ہے۔ تو ابو بکر نے آپ کو بارہ اوقیہ اور کچھ نش عنایت فرمائے (یعنی پانچ سو درہم اور کچھ اوپر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بطور مہر ہمارے پاس روانہ کر دئے۔ تو میری رخصتی اس گھر میں ہوئی جس میں، میں اب ہوں۔ یہی وہ گھر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں دروازہ بنا لیا تھا جو میرے دروازے کے سامنے تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوڈہ کو بھی مسجد کے گھروں میں سے ایک گھر میں رخصت کیا جو میرے گھر کے پہلو میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس رہتے تھے۔ طبقات ابن سعد ج ۸ / ص ۶۸

اگرچہ اس روایت کا راوی واقفی کذاب ہے۔ لیکن اول تو یہ ضروری نہیں کہ جسے ہم جھوٹا کہیں وہ ہر بات ہی جھوٹ بولتا ہو۔ کوئی نہ کوئی بات تو وہ بھی سچ کہتا ہوگا۔ اور پھر بعض شیخ الحدیث صاحبان نے شبلی کے رد کے ثبوت میں اسے ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے تو اس کی یہ روایت اس لئے نقل کی ہے کہ ہم نے اوپر حوالیجات پیش کئے ہیں ان سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے۔ کم از کم ایک جھوٹے کے منہ سے یہ بات تو سچی نکلی!

ہمارا مقصود تو بس اتنا ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد اگر ام المومنین صرف آٹھ نو سال کی ہوتیں تو ابو بکر کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ کہتے کہ آپ اپنی بیوی کو رخصت کر لیجئے یعنی آخر میں کب تک بیٹی کو گھر پر بٹھانے رکھوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز یہ جواب نہ دیتے کہ مہر کی رکاوٹ ہے بلکہ فرماتے جلدی کیا ہے وہ ہنوز بیٹی ہے۔ لیکن اس کے برعکس آپ نے یہ جواب دیا کہ مہر کی کمی ہے۔ اور ابو بکر بھی نہ چاہتے تھے کہ جو ان بیٹی گھر پہنچی رہے لہذا مہر کی رقم بھی خود ہی بیچ دی اور پھر آپ نے ام المومنین کو رخصت کرایا۔ جس سے یہ

ثابت ہوا کہ واقعاً ہجر کے علاوہ کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

اشعار میں دلیل

ابن عباس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

الایم احق بنفسہم من ولہما والبکر تستاذن فی نفسہما واذنہا
صاتھا۔ (مسلم ج ۱/ ص ۳۵۵)

عورت ولی سے زیادہ اپنی جان کی حقدار ہے۔ اور کنواری سے اس کے منکھ میں اجازت لی
جائے گی۔ اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔

بلکہ بعض روایات میں تو یہ الفاظ ہیں۔

والبکر تستامر۔ ایضاً

اور کنواری سے حکم طلب کیا جائے۔

اور العجم پرہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

لا تکتجح الایم حتی تستامر ولا تکتجح البکر حتی تستاذن
(مسلم ج ۱/ ص ۳۵۵)

عورت کی اس کے حکم کے بغیر غلامی نہ کی جائے اور کنواری کے بغیر اجازت کے۔

ان احادیث کی رو سے غلامی میں کنواری لڑکی کی رضا شرط ہے۔ اور اگر لڑکی ناپلغ ہو
تو اس کی رضا کا کوئی مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ نکاح کے مقصد سے ہی واقف نہیں
ہوتی۔ اس لئے قبیلہ نے اس مسئلہ کا حل یہ نکالا کہ کم عمر لڑکی کا نکاح اس کا ولی بھی کر سکتا ہے
اور اس کے جواز کے لئے ان حضرات قبیلہ نے ہجرام کی اس کہانی کو بطور دلیل پیش کیا۔ اور
اس مسئلہ میں اس روایت ہجرام کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں۔ اور جب یہ روایت ہی غلط
ہے تو اس کی بنیاد پر جو نکاح مشیرہ کی عمارت رکھی گئی ہے وہ بھی غلط ہے۔

انسیویں دلیل

کتب احادیث و تاریخ سے ثابت ہے کہ ہجرت میں جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو جہاں

کی آب و ہوا انہیں راس نہ آئی۔ اکثر صحابہ بیمار ہو گئے اور ابو بکر صدیق بھی سخت بخار میں مبتلا

ہو گئے۔ ام المومنین عائشہؓ نے اپنے والد کی تیمارداری فرمائی۔ (طبقات ابن سعد ج ۳: ص ۴۳) معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کی آب و ہوا کافی دن تک مہاجرین کو اس نے آسکی۔ بار بار بیمار پڑتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی۔

اللهم حبب الينا المدينة كما حبب مكة واشد وصححها و
بارك لنا في صاعها ومدها وحول جماها الى الجحفة
(مسلم ج ۱: ص ۲۲۳) (بخاری ج ۲: ص ۸۲۲)

اے اللہ ہمارے لئے مدینہ ایسا محبوب فرما جسے مکہ ہمیں محبوب تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس کی آب و ہوا درست فرما۔ اے اللہ ہمارے لئے مدینے کے صاع اور مد میں برکت فرما۔ اور اس کا بخار تجھ کی جانب منتقل فرما۔

یہ روایت بھی حضرت عائشہؓ سے مروی ہے جو ہشام نے اپنے باپ عروہ کے واسطے سے نقل کی ہے۔ اور ہشام کی ایک اور روایت جو امام مالک نے ہشام سے نقل کی ہے۔ اور جو بخاری ج ۲: ص ۸۲۸ پر بیان کی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مدینہ بیماریوں اور وباؤں کا گھر تھا۔ عام طور سے لوگ بخار میں مبتلا رہتے تھے۔ مہاجرین بھی بخار میں مبتلا ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ ان کے غلام عامر بن فہیرہ اور بلالؓ ایک گھر میں علیحدہ بیمار پڑے تھے۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نے کران کی حیثیت کے لئے گئی۔ اس وقت تک پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ شدت بخار سے یہ لوگ غفلت میں مبتلا تھے۔ میں ابو بکرؓ کے پاس گئی اور ان سے دریافت کیا ابا کیا حال ہے انہوں نے جواب دیا۔

کل امری مصبح فی املہ والموت ادنی من شراک فعلہ

ہر آدمی اپنے اہل میں وقت گزارتا ہے اور موت اس کے جوتے کے تیسے سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میرے والد کو کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں (گویا بخار دماغ کو چڑھا ہوا تھا) میں ان کے بعد عامر کے پاس گئی۔ ان سے پوچھا عامر کیا حال ہے۔ انہوں نے کہا۔

لقد وجدت الموت فروعہ ان الجبان حنقه من نوقہ
کل امری مجامد بطوقہ کثوب یحسی جلد لا بروقہ

میں نے موت سے قبل ہی موت کا مزاج کچھ لیا ہے۔ کیونکہ بزدل ناک کے بل مرتا ہے ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق کوشش کرتا ہے جیسے کپڑا انسان کی جلد کو اس کی چمک سے بچاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں صبرِ خیال ہے کہ انہیں بھی کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بلالؓ کی عادت تھی کہ جب بخاری آتا تو وہ گھر کے صحن میں لیٹ جاتے اور زور زور سے چلایا کرتے۔ اس وقت وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے

اللائت شعری هل ابتین لیلة بواد و حولی اذخرو جلیل
و هل اردن یومامیلا مجنة و هل بیدون لی شامة و طفیل
کاش مجھے معلوم ہو کہ میں ایک رات گزاروں گا، اس وادی میں کہ میرے چاروں
طرف اذخر گھاس اور جلیل ہوں گے۔ اور کیا میں اتروں گا مجھ کے پانیوں پر اور کیا ظاہر ہوں
گے میرے سامنے شامہ اور طفیل۔

بخاری کی اس روایت میں عامر بن فہیرہ کا کوئی حال نہ تھا لیکن امام احمد نے اپنی مسند میں عبد اللہ بن عروہ کے حوالے سے عامر کا یہ حال نقل کیا ہے۔

اب ان ہر دو روایات پر غور کیجئے اور سوچتے کہ گھر میں ام رومان، اسماءؓ موجود ہیں۔ تیمارداری کی ذمہ داری ام المومنینؓ تھا رہی ہیں۔ کیا اتنی اہم ذمہ داری ایک آٹھ سالہ بچی کے سپرد کی جاسکتی ہے جبکہ گھر میں بڑی عورتیں موجود ہیں۔ یہ تیمارداری اسی وقت ممکن ہے کہ جب ام المومنینؓ خود جوان ہوں اور ذمہ داریوں کا انہیں پورا احساس ہو۔ ورنہ آٹھ نو سال کی عمر میں تیمارداری کی خدمات انجام دینا جیسا کہ ابن سعد کی روایات میں آ رہا ہے بالکل خلاف عقل ہے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد، عامر بن فہیرہ اور بلالؓ کی تمام صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مع اشعار کے بیان کی اور کہا:

انهم یحذون و ما یقلون من شدۃ الحمی۔

لوگ بہک رہے ہیں۔ انہیں تو بخاری کی شدت کے باعث عقل بھی نہیں۔

اسی تمام واقعہ سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ ام المومنینؓ اہ میں اپنے گھر کی ہو چکیں تھیں۔ گھر سے اجازت لے کر تیمارداری کے لئے نکلیں۔ پھر واپسی پر تمام اشعار ہو ہو نقل کئے اور بیان کیا کہ یہ اشعار بخاری کی شدت میں پڑھ رہے ہیں انہیں تو اپنا ہوش بھی نہیں۔

ان تمام باتوں کو سمجھنا ایک نو سالہ بچی کا کام نہیں ہے۔ یہ پختہ عمری کی باتیں ہیں۔ اور یہ اشعار اور ان کو یاد رکھنا اور انہیں نقل کرنا اسی وقت ممکن ہے جب اہل المؤمنین نے ایک عمر ایسے ماحول میں گزاری ہو۔ حالانکہ اگر یہ ملان لیا جائے کہ ان کی رخصت نو سال کی عمر میں ہوئی اور ۵ نبوت کے بعد وہ پیدا ہوئیں تو اس وقت تک تو گھر کا ماحول بدل چکا تھا۔ اب وہاں شعر و شاعری کے سہلے قرآن پڑھا جاتا۔ آخر یہ ماحول انہیں کہاں اور کس وقت میرا آیا؟ اور اس کا آسان جواب بھی ہے کہ وہ نبوت سے قبل پیدا ہو چکی تھیں۔ اور دیگر لڑکے کی طرح ادب میں ان کا ذہن پختہ ہو چکا تھا۔ یہ بات ہم آگے بھی پیش کریں گے۔

بیسویں دلیل

ادب و آداب و تاریخ میں مہارت

دلی اللہ بن الخطیب صنف مشکوٰۃ فریر کرتے ہیں۔

وكانت فتيحة عالمة وصحة فاضلة كثيرة الحديث عن
رسول الله صلى الله عليه وسلم عارفة بليل العرب و
اشعارها

(مشکوٰۃ ص ۶۱۲)

حضرت عائشہ، فقیہہ، عالمہ، فصیحہ اور فاضلہ تھیں۔ بکثرت احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتیں۔ زمانہ جاہلیت کی جنگوں اور ان کے اشعار کی بہت ماہر تھیں۔

اہل المؤمنین کے مخلصینے عروہ کا بیان ہے کہ میں نے قرآن، فرائض، حلال و حرام، فقہ، شعر و شاعری، طب، تاریخ عرب اور النسب میں حضرت عائشہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

البدایہ والنہایہ ج ۸: ص ۹۲

علاء بن ابی رباح کہتے ہیں اہل المؤمنین سب سے زیادہ فقیہہ، سب سے زیادہ عالمہ اور سب سے اونچی فکر رکھتی تھیں۔ البدایہ والنہایہ ج ۸: ص ۹۲

حضرت ابو موسیٰ اشعری کا بیان ہے کہ جب ہم صحابہ کو کسی حدیث میں دشواری پیش آتی تو ہم یہ مشکل اہل المؤمنین کے سامنے پیش کرتے اور ہمیں اس مشکل کا آسان حل ان کے پاس

ملتا۔ ترمذی، البدایہ والنہایہ

ابو الزناد کا بیان ہے کہ میں نے شعروہامری میں عردہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے عردہ سے دریافت کیا کہ آپ کو شعروہامری میں یہ کمال کیسے حاصل ہوا تو انہوں نے جواب دیا اپنی عالہ عائشہ سے سیکھا۔ کوئی بھی واقعہ پیش آتا ہم المومنین اس بارے میں فوراً شعر پڑھ دیتیں۔

موسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے کہ میں نے ہم المومنین سے زیادہ فصیح ابیان کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا۔ عردہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار ہم المومنین سے عرض کیا اے عالہ مجھے آپ کے فیض ہونے پر تعجب نہیں۔ اس لئے کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ ہیں اور ابو بکر کی بیٹی ہیں مجھے اس پر بھی حیرت نہیں کہ آپ اشعار کی حافظہ اور تاریخ میں کامل ہیں کیونکہ آپ ابو بکر کی بیٹی ہیں اور وہ اعلم الناس تھے۔ مگر مجھے آپ کے علم طب پر تعجب ہے کہ آپ نے یہ فن کہاں سے سیکھا۔؟

ہم المومنین نے عردہ کے کاندھے پر ہاتھ مارا اے عردہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر میں بیمار رہتے اور ہر طرف سے آپ کے پاس وفود آتے رہتے تو وہ آپ کے لئے نسخے بتاتے اور میں ان نسخوں سے آپکا علاج کیا کرتی تھی۔

عربی ادب، شعروہامری، انساب، اور تاریخ عرب میں کمال حاصل کرنے کیلئے عمر کا ایک طویل اور ایسا حصہ درکار ہے جس میں سیکھنے والا ایسی باتوں کو سمجھ سکے اور یاد رکھ سکے۔ اور ویسے بھی انساب اور تاریخ عرب خشک مضمون ہے۔

کیونکہ بھام کی روایت کی رو سے ابھی وہ آٹھ سال کی بچی تھیں کہ ہجرت کا وقوہ پیش آگیا۔ ابو بکر لہنے ہال بچوں کو چھوڑ کر مدینہ آگئے، جب کئی ماہ بعد ہال بچوں کو مدینہ بلایا تو چند روز بعد حضرت عائشہ کی رخصتی عمل میں آگئی۔ اور گویا اس طرح لہنے والد سے استفادہ کا موقعہ ہی ملا۔

مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاغل مکہ کی زندگی سے بالکل مختلف تھے۔ جہاں قرآن، صوم و صلوٰۃ کے مسائل اور ملکی بہتات پیش نظر رہتیں۔ جہاں کا ماحول یہی تھا۔ اس ماحول کا انساب، تاریخ شعروہامری سے کوئی دور کا واسطہ نہ تھا۔ حضرت عائشہ کو شعر لہنی اور انطباق اشعار کا کمال ذوق اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ایک طویل وقت شعروہامری یا ہیئت بازی میں نہ گزارا جائے۔ عرب شعراء کا بہترین کام انہیں یاد تھا جو موقع عمل کے لحاظ سے فوراً زبان پر آجاتا۔ نثر کا بھی بہترین حصہ آپ کو ازبر تھا۔ ہم ذرا کی حد تک جو مسلم میں موجود ہے ان کے ادب کا اظہار ہے۔

بہذا یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ ام المومنینؓ نکاح سے قبل عاقلہ اور بالغہ تھیں۔ انہوں نے یہ تمام فنون لہنے والد سے حاصل کئے۔ اور جس وقت آپ مدینہ آئیں اور آپ کی رخصتی عمل میں آئی تو آپ پختہ عمر کی عورت تھیں۔ اور اپنی غیر معمولی قوت حافظہ اور قوت فہم کے سبب انساب عرب، ذوق شعر و شاعری اور تاریخ میں کمال حاصل کر چکی تھیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جو تادوست فرما رہے تھے۔ اور میں دیکھ رہی تھی۔ آپ کی نظر جو مجھ پر پڑی تو سوال فرمایا کیا بات ہے بڑے غور سے دیکھ رہی ہو میں نے عرض کیا ابو بکر الہندی کے اشعار آپ پر صادق آتے دیکھ رہی ہوں وہ خود زندہ ہوتا تو لہنے اشعار کا مصداق آپ سے زیادہ کسی کو نہ پاتا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ وہ کون سے اشعار ہیں۔

ام المومنینؓ نے عرض کیا۔

ومبراً من کل غیر صفیتہ وفساد ضعة وداہ ممضل

فان انظرت الی اسوتہ واجہہ برقت کبیرق العارض المتحلل
وہ محفوظ ہے ہر نہاست سے اور دودھ پلانے والی کی خرابی سے اور ہر شیلی بیماری سے۔ جب تو دیکھے اس کے چہرے کے خلوط کی طرف تو اس طرح روشن ہونے میں کہ روشن گلاب چمکتے ہیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خوشی سے جھوم اٹھے اور فرمایا تمہارے اس بر محل شعر کے منطبق کرنے سے مجھے بہت سرور حاصل ہوا۔ یعنی ام المومنینؓ زاہد خشک نہ تھیں۔ اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زاہد خشک تھے۔

ان کے بھائی عبدالرحمن کا انتقال ہو گیا۔ بے ساختہ زبان سے یہ اشعار نکلے۔
وکنا کئد مافی جذیمة حقبۃ من الدھر حتی قبیل لن یتفرقا

فلما تفرقنا کما فی و مالکنا علی طول اجتماع لم بیت لیلة معاً
ترجمہ: ہم دونوں کی ایسی مثال تھی جیسے چند ماہ بادشاہ کے دو مصاحبوں کی کہ عرصہ دراز تک ان کے ربط و اتحاد کا یہ حال رہا کہ لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان میں کبھی جدائی ممکن ہی نہیں۔ لیکن جب ہم میں جدائی ہوئی تو باوجود اس کے کہ میں نذر ملک طویل عرصے تک بیکھا

رہے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک رات بھی اکٹھے نہیں رہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شعر و ادب، تاریخ اور انساب سے متعلق ام المومنینؓ کے جو اقوال کتب حدیث، تاریخ اور کتب ادب میں بھرے پڑے ہیں اور جن کے بارے میں مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ لہنے دور کی سب سے بڑی محدث، سب سے بڑی نقیبہ، اور سب

سے بڑی مفسرہ سب سے بڑی ادیبہ، سب سے بڑی خطیبہ، سب سے بڑی مورخہ اور سب سے باہر انساب تھیں، ان کے اس علم و فن پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ پرکاری دکھائی گئی کہ رخصتی کے وقت ان عجمی راویوں نے ان کے ہاتھوں میں گڑیاں تھمائیں اور کچھ اس طرح تسلسل کے ساتھ تھمائیں کہ وہ ان کی زندگی کا ایک لازمہ بن گئیں۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو ایک طلاق میں گڑیاں بھی ہوئی تھیں۔ جب کہ انھیں حضور کی زوجیت میں آئے ہوئے نو سال ہو چکے تھے۔ یعنی اہل بیت بننے کے باوجود انھوں نے گڑیاں کھیلنے کے علاوہ کوئی کام نہ کیا۔ یہ ہے ایک عجمی سازش جو ہشام کے ہاتھوں انہماں کو پہنچی۔ حتیٰ کہ اہل المؤمنین کے ہاتھوں میں پردار گھوڑا تھمایا گیا۔ تاکہ آئندہ چل کر ذوالجناح کی تاریخ ہمسایا جاسکے۔

حلاںکہ حقیقت یہ ہے کہ زوجیت رسول میں آنے کے بعد اہل المؤمنین اس منزل پر پہنچیں کہ دنیا کے سامنے فقہی اور محدثانہ اصولوں کی بنیاد رکھ گئیں بلکہ صحابہ کرام نے ان اصولوں کو تسلیم کیا۔

اہل المؤمنین نے یہ فقہی اصول پیش فرمایا کہ جو روایت خلاف قرآن ہو وہ ہرگز قابل قبول نہیں یا اس کی تاویل کی جائے گی یا اس کا رد کیا جائے گا۔
مثلاً غزوہ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نعشوں کو ایک گڑھے میں ڈالا اور گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا۔

هل وجدتم ما وعد ربكم حقا تم سے تمہارے پروردگار نے جو وعدہ کیا وہ تم نے حق پایا۔؟

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مردوں کو پکارتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا ما انتم باسمع منكم ولكن لا يجيبون تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن یہ جواب نہیں دیتے

یہ سنکر اہل المؤمنین نے ارشاد فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ہرگز نہیں فرمائی تھی۔ بلکہ آپ نے فرمایا تھا۔

انهم ليعلمون الان ماكنت اقول لهم حق۔ انھوں نے اب تہہ بات حق جان لی ہوگی جو میں ان سے کہتا تھا۔

اور آپ ایسی بات فرما بھی نہ سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

انك لا تسمع الا لموتى۔ (بخاری ج ۱ صفحہ نمبر ۱۸۳) یقیناً آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے

اسی طرح جب حضرت عمر نے اپنی وفات کے وقت یہ حدیث بیان فرمائی۔

ان المیت یعذب ببعض بکاء اہلہ علیہ یقیناً مردے کے رشتہ داروں کے رونے کی وجہ سے مردے کو عذاب دیا جاتا ہے تو حضرت عائشہؓ نے یہ بات سن کر ارشاد فرمایا:

یرحم اللہ عمر واللہ ما حدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یعذب المؤمن ببکاء اہلہ، علیہ ولكن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ لیزیہ الکافر عذاباً ببکاء اہلہ علیہ وقالت جسکم القرآن ولا تقرروا زقوا و زراخری (بخاری ج ۱: ۱۶۲)

(مسلم ج ۱: ۳۰۳)

اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان نہیں کی تھی کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اس کے گھر والوں کے رونے کے باعث عذاب دیتا ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کافر کے عذاب میں اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب اضافہ فرماتا ہے۔ اور تمہارے لئے قرآن کافی ہے۔ "اور ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔"

ایک اور روایت میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمائی ہیں کہ دراصل واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودیہ مر گئی تھی، اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب اشارہ کر کے فرمایا۔

انہم لیبکون علیہا وانہا لتعذب فی قبرہا۔ بخاری ج ۱: ۱۶۲ مسلم ج ۱/۳۰۳

یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں۔ حالانکہ اسے قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔

ان ہر دو واقعات پر ہم اہلومنین نے جو تبصرہ فرمایا اس سے فقہ اور حدیث کے جو اصول ہمارے سامنے آئے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جب بھی کوئی حدیث خلاف قرآن ہوگی خود وہ کلمہ اعلیٰ درجہ کی صحیح کیوں نہ ہو تو یا تو اس روایت کا کوئی ایسا مفہوم مر لو لیا جائے گا جو خلاف قرآن نہ ہو ورنہ اس حدیث کا انکار کر دیا جائے گا۔ فقہ حنفیہ کا بھی یہی اصول ہے۔

۲۔ اس حدیث کے روایت کتابی اہل معام رکھتے ہوں جن کی شخصیات کو طویل خاطر نہ رکھا جائے گا۔ کیونکہ بعد کی کوئی شخصیت ہرگز بھی حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتی جب ہم اہلومنین نے جن حضرات کی شخصیات کو نظر انداز کر کے اصول کو پیش نظر

رکھا تو ایک اصول یہ بھی سامنے آیا کہ جب بھی کسی شخصیت کا تقابلی اصول سے ہو گا شخصیت کو نظر انداز کر دیا جائے گا اور اصول کو قبول کیا جائے گا اور اسلام میں لاقانونیت نہ چلے گی ورنہ ہر شخصیت کے لئے ایک نیا قانون وضع کرنا ہو گا۔ ہماری ملکی سیاست میں اسی شخصیت پرستی کے باعث لاقانونیت رائج ہے اور مذہبی طور پر بھی ادلیاء پرستی اور اکابر پرستی کے نام سے یہی شخصیت پرستی دماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ جس کے خلاف سب سے اول علمبردار ام المومنین حضرت عائشہؓ ہیں گو آج جو فتنہ عام مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہے ام المومنینؓ کی نگاہیں عمری کے زمانے میں اسکا ادراک کر چکی تھیں میرے ماں باپ ام المومنینؓ پر قربان کہ جن کے ہاتھوں میں ہمارے رادویوں نے کڑیاں تھمائیں تھیں انکی نظر کتنی گہری تھی۔ دنیا کتنی بھی تبدیل ہو جائے اور کتنے بھی فتنے پھیل جائیں لیکن اگر کسی قوم کو ان فتنوں سے نہات حاصل کرنی ہے تو اسے ام المومنینؓ کے اصول کو پیش نظر رکھنا ہو گا۔ اور جو قوم ام المومنینؓ کے اس اصول کو ترک کرے گی وہ قوم ہمیشہ ذلیل و خوار ہوگی۔

۳ جب کوئی شخصیت ایسی بات کا دعویٰ کرے گی جو خلاف قرآن یا خلاف اصول ہوگی تو تصور کیا جائے گا کہ ان حضرات کو غلط فہمی ہوئی یا واقعہ کو صحیح طور پر محفوظ نہیں رکھ سکے یا واقعہ کی اصل حیثیت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

۴ اصولی معاملات اور عقائد کے سلسلہ میں ہدایت کے لئے قرآن کافی ہے۔ اس کیلئے روایات کے سہاروں کی کوئی ضرورت نہیں۔

۵ جب حضرت عمرؓ کی شخصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن کے خلاف کوئی شے اختیار نہیں کی جاسکتی جب کہ حدیث بھی ان کی تائید کر رہی تھی بالفاظ دیگر وہ اس بات کا دعویٰ کر رہے تھے جو ان کے خیال میں حدیث میں پائی جاتی تھی تو کسی ایسی شخصیت کی اندھی تقلید کیے اختیار کی جاسکتی ہے جو حضرت عمرؓ سے کڑوڑا درجہ پست ہو۔ اور اگر اتفاق سے روایت میں ضعف بھی پایا جاتا ہو تو پھر وہ روایت ہتھر پردے مارنے کے قابل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب یہ مذکورہ حدیث بیان کی تو ام المومنینؓ نے ارشاد فرمایا
يغفر الله لابن عبد الرحمن اما انه لم يكذب و لكنه نسى او اخطا مسلم ج ۱ ص ۳۰۳

اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمن کی مغفرت فرمانے وہ جھوٹ تو نہیں بولتے لیکن بھول گئے یا انھوں نے غلطی کی۔

ام المومنینؓ کے اس ارشاد سے ایک اور اصول سامنے آگیا

۶ خواہ راوی کتنا بھی ثقہ اور معتبر ہو۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام جو عادل ہیں جھوٹ نہیں بولتے لیکن وہ غلطی، بھول اور کم فہمی وغیرہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں ان سے کوئی پاک نہیں لہذا یہ کوئی ضروری نہیں کہ اگر راوی ثقہ ہو اور سچا تو اس کی ہر روایت صحیح ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی کوئی روایت غلطی پر مبنی ہو یا ہو سکتا ہے وہ بھول گیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس نے پوری بات ہی نہ سنی ہو۔ جب صحابہ کے بارے میں یہ امکانات پائے جاتے ہیں تو ہشام کو ان امور سے پاک سمجھنا اس سے جہاں عصمت انبیاء پر حرف آتا ہے۔ وہاں صحابہ کرام کی عزت پر بھی حملہ ہوتا ہے۔ محدثین ایسی روایت کو منکر کہتے ہیں اسی لئے محدثین میں منکرات سفیان بن عیینہ، منکرات حماد بن سلمہ اور منکرات شریک بن عبد اللہ المدنی مشہور ہیں۔

اسی باعث محدثین و فقہاء اس پر متفق ہیں کہ ہر انسان کے ساتھ بھول چوک اور خطا لاحق ہے یہ بھی ممکن ہے کہ صحابی سے نقل الفاظ میں غلطی واقع ہوئی ہو۔ یا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو یا پورا واقعہ نہ دیکھا ہو اور اس سے غلط نتیجہ اخذ کر لیا ہو۔ یا ادھوری بات سنی ہو اور اس پر اپنی ایک رائے قائم کر لی ہو۔ یا واقعہ کا کچھ حصہ دیکھ کر مغالطہ کھایا ہو۔ یہ تمام احتمالات جب صحابہ میں پائے جاتے ہیں تو تمام راویوں میں سلسلہ بہ سلسلہ یہ احتمالات پائے جائیں گے۔ اور اگر راوی میں کسی قسم کی خالی بھی پائی جاتی ہے تو ان احتمالات میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ لہذا احادیث کئی بھی اعلیٰ سند کے ساتھ مروی ہوں وہ سب ظنی کہلائیں گی کیونکہ اس نقل روایت میں ہر قدم پر ظن ہے۔ فرق صرف اتنا ہو گا کہ کسی روایت میں ظن کم ہو گا اور کسی میں زیادہ۔ مثلاً متواتر میں ظن صرف برائے نام ظن رہ جاتا ہے لیکن خبر واحد میں ہر قدم پر ظن ہے جیسا کہ آپ ہشام کی روایت میں دیکھ چکے ہیں۔

اسی طرح جس حدیث کی سند میں راویوں کی تعداد زیادہ ہوگی اتنے ہی ظن بڑھتے جائیں گے اور جتنی راویوں کی تعداد کم ہوگی اتنا ظن بھی کم ہوگا۔ اسی لئے محدثین کرام اس حدیث کو جس کی سند میں راوی کم ہوں اسے عالی اور جس میں زیادہ ہوں اسے سافل (نیچے) درجہ کی کہتے ہیں۔

مثلاً امام بخاری ایک روایت اس سند سے نقل کریں **حد ثنا الحمیدی قال حد ثنا سفیان عن الزہری عن عروہ عن عائشہ** اس سند میں بنی کرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بخاری کے مابین پانچ راوی ہیں۔ اس کے برعکس دوسری روایت اس طرح پیش کریں **حد ثنا ابو عاصم قال حد ثنا الضحاک عن سلمة بن الاکوع**۔ اس سند میں صرف تین راوی ہیں۔ اس میں پہلی کے مقابلہ پر ظن کم ہیں۔

لہذا یہ روایت عالی اور پہلی روایت سافل کہلائے گی یہ بخاری کی ثلاثیات میں سے ہے اور بخاری کی ثلاثیات جن کی تعداد صرف تینس ہے باقی بخاری کی تمام روایتوں سے اعلیٰ ہیں۔ اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے بخاری کی جن احادیث کی سند میں چار راوی ہوں گے وہ اس روایت کے مقابلہ میں اعلیٰ ہوگی جس کی سند میں پانچ راوی ہوں گے۔

قارئین کرام جب آپ کے سامنے یہ اصول آگیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ جب کسی روایت کو نقل کرتے ہیں تو ان کی روایت کی سند میں بعض اوقات دو راوی، بعض اوقات تین راوی اور خاص طور پر امام ابو حنیفہؒ کی سند میں بعض اوقات صرف ایک راوی یعنی صحابی ہوتا ہے۔ اس طرح ان حضرات کی کل روایات بخاری کے مقابلہ میں عالی ہوں گی۔ بلکہ بخاری کی جو اعلیٰ روایت ہے وہ ان حضرات کی سافل ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان حضرات کی سند میں کوئی اور خالی پائی جاتی ہو۔ ورنہ ان حضرات کی تمام مرویات ثلاثی ہیں اور یہ ان حضرات کی سند کا ادنیٰ درجہ ہے اور ثلاثی کی منزل تک پہنچنا بخاری کا اعلیٰ درجہ ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے اس مختصر سے جملے میں جہاں ایک قطعی اصول وضع فرمایا ہے وہاں حدیث کے سلسلہ میں بھی ایک انتہائی اہم اصول بیان فرمادیا۔ یہ ام المومنینؓ کی ذات گرامی ہے جو انہوں نے کتاب و سنت کے فرق کو واضح فرمایا۔ اور دنیا کے سامنے یہ ثابت کیا کہ قطعی شے کی موجودگی میں ظنیات پیش نہیں کی جاسکتیں۔ اور اسلام میں صرف کلام اللہ قطعی ہے اور حدیث ظنی ہے کیونکہ وہ اشخاص کے ذریعہ مروی ہوتی ہے اور اشخاص میں فلاں فلاں مرض ان کا فطری خاصہ ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی انسان ان خامیوں سے پاک ہو۔ لہذا ان اشخاص کی ذات پر یقین کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور جو لوگ شخصیات کو دیکھ کر اپنے دین و دنیا کی بنیادیں قائم کرتے ہیں۔ وہ کتاب اللہ کو پس پشت ڈالتے ہیں اور نتیجتاً ایک بے ایک روز کھلی گرامی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ہم نے یہ سب کچھ تحریر کرنے کے بعد سید سلیمان ندوی کی سیرت عائشہؓ کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۵ پر مختصر اہانت تحریر کی ہے۔ ہاں ہمیں یہ افسوس ضرور ہے کہ سید صاحب جیسے محقق کے حلق سے نو سالہ عمر کی کڑوی و کسلی گولی اتر گئی۔ اور جس کے حلق سے یہ گولی اتر جانے تو پھر اس کا اثر ختم کرنے کے لئے بہت سے انجمنوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ خود ہم پہ سے اس گولی کا اثر پچاس سال بعد دور ہوا۔

اس کی ایک اور مثال فاطمہ بنت قیس کی حدیث ہے۔ جس میں انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ مطلقہ کو نہ رہائش کے لئے مکان ملے گا اور نہ نفقہ ملے گا۔ جس کے رد کہنے امیر المومنین حضرت عمرؓ نے یہ خطبہ دیا کہ ہم ایک عورت کے کہنے پر کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ

سکتے۔ یہ واقعہ ہم نے تفصیل کے ساتھ اپنی قدیمی کتاب "اصول فقہ" اور جدید کتاب "ایصال ثواب قرآن کی نظر میں" بیان کیا ہے۔ یہاں صرف ہم المؤمنین کے الفاظ بیان کرنا مقصود ہیں۔ ہم المؤمنین کے الفاظ ہیں۔

ما لفاطمۃ بنت قیس خیر ان تذکر هذا الحدیث۔ بخاری ج ۱ ص ۲۸۵ ج ۱ ص ۸۰۳
فاطمہ بنت قیس اگر یہ حدیث بیان کرتی ہے تو اس میں کوئی خیر نہیں۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

اصانہ لا خیر لھا ذکر لک (بخاری ج ۲ ص ۸۰۲ مسلم ج ۱ ص ۳۸۵)

بہر صورت اس کے لئے یہ روایت بیان کرنے میں کوئی خیر نہیں۔

قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ ہم المؤمنین نے فاطمہ بنت قیس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

الاصحی اللہ۔ (بخاری ج ۱ ص ۸۰۳) کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتی

اب اگر ہم وہ تمام روایات پیش کریں جن پر ہم المؤمنین نے کلام فرمایا ہے تو وہ خود ایک کتاب ہو جائے گی۔ لہذا ان تفصیلات کے لئے ہماری کتاب "سیرت عائشہ" کا انتظار فرمائیں۔

ہمیں یہ قبول ہے کہ ہشام ثقہ ہیں بخاری کے راوی ہیں بلکہ آسمان سے پلے پلانے نازل ہونے تھے۔ لیکن ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ جناب ہشام ہند سے کی وہابی بھول گئے یا وہابی خرابی کے دور میں بھیموں نے ان کی زبان سے جو کھلوانا چاہا وہ کہتے چلے گئے اور سچی بات تو یہ ہے کہ قول ہشام سچ نہیں۔ اور اس لئے بھی سچ نہیں کہ ہم المؤمنین کا یہ ادب، تاریخ، علم الانساب، معاشرت عرب اور خطابت جیسے اہم مضامین پر نو سال کی عمر میں قدرت حاصل کر لینا بعید از عقل ہے۔ اتنی کم عمری میں علوم بطور تعویذ گھول کر پلا نہیں دے گئے تھے۔ اور اگر ایسا ممکن ہے تو ان کرمانی بزرگ کا اتا پتہ ہمیں بھی بتا دیا جائے۔ جو ایک نظر میں ہماری خواہش کے مطابق ہماری کاپیا پلٹ کر سکے اور ہمیں بیٹھے ہی بیٹھے انگریزی زبان پر عبور حاصل ہو جائے تاکہ اس زبان میں اسلام کے خلاف جو ذہر فشاںیاں کی گئی ہیں اس کا ہم انگریزی میں جواب دے سکیں۔ ہے ایسا کوئی صاحب کرامت دلی؟۔ ہم بھی کھوج میں مشغول ہیں قارئین کرام بھی کھوج لائیں۔

اکیسویں دلیل

ایک اصول یہ ہے کہ جب عورت جوان ہوتی ہے تو شادی کے کچھ عرصہ بعد اولاد کی متنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا فطری جذبہ ہے جس کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اور یہ جذبہ جسے اردو زبان میں مامسا کا جذبہ کہا جاتا ہے کبھی کسی کسین لڑکی میں پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے

لے علامہ مقرر اپنی مسلسل بیاری کی وجہ سے کتاب "سیرت عائشہ" مکمل نہ کر سکے۔ اس لئے وہ اشاعت پذیر نہ ہو سکی۔

کبھی کسی کم عمر لڑکے کو باپ بننے کی تمنا پیدا نہیں ہوتی۔
 عرب میں ایک دستور یہ تھا کہ جب کوئی مرد صاحب اولاد ہوتا تو بیٹے کے نام پر اپنی
 کنیت رکھتا۔ اور عام طور پر یہ کنیت پہلی اولاد کے نام پر رکھی جاتی جیسے ابو طالب کہ اس کا
 نام عبد مناف تھا اور طالب اس کا بیٹا تھا۔ ابو القاسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے
 آپ کے چھٹے صاحبزادے کا نام قاسم تھا۔ ابو الحسن حضرت علی کی کنیت ہے جو ان کے
 صاحبزادے حضرت حسن کے نام پر ہے۔

اسی طرح جب کسی عورت کی شادی کے بعد بچہ پیدا ہو تو اس کے نام پر اپنی کنیت
 رکھتیں اور اس سے متعارف ہوتیں۔ بلکہ کنیت سے ہر شخص کو پتہ چل جاتا کہ یہ صاحب
 اولاد ہے جیسے ام المومنین ام حبیبہ، ام المومنین ام سلمہ اور ام سلیم وغیرہ۔

کنیت سے آدمی کی حیثیت قائم ہو جاتی ہے جب اسے کنیت سے پکارا جاتا ہے تو اسے
 احساس پیدا ہوتا ہے کہ میں باپ ہوں اور باپ ہونے کے باعث مجھ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی
 ہے اور اسی طرح ماں کنیت سے پکاری جاتی ہے یعنی جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلانے کی ماں تو اس
 عورت کو لپٹنے ماں ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اس کے جذبہ ماساکو تسکین ملتی ہے۔

اور ہر شادی شدہ عورت کو چند ماہ بعد یہ تمنا شروع ہو جاتی ہے کہ کاش وہ ماں ہوتی۔
 اور یہ تمنا کسی کسین بچی کو پیدا نہیں ہوتی۔ اور جب اس عورت کے خود اولاد نہیں ہوتی تو وہ
 اپنی تمنا کی تسکین کپلنے دوسرے کے بچے کو گود لیتی ہے تاکہ وہ اسے ماں کہے اور اس طرح اس کے
 فطری جذبہ کی تکمیل ہو۔

حضرت عائشہ کے خود کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن ایک روز فطری جذبہ سے مجبور ہو کر
 عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی تمام بیویوں نے لپٹنے بیٹوں کے نام سے اپنی کنیتیں رکھ لیں، میں
 کس طرح اپنی کنیت رکھوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ فاکتسی بابنک عبداللہ۔
 لپٹنے بیٹے عبد اللہ کے نام پر کنیت رکھ لے۔

عبد اللہ سے مراد عبد اللہ بن زبیر ہیں۔ اسی لئے ام المومنین کی کنیت ام عبد اللہ ہے۔
 ابو داؤد ص ۶۷۹: ابن ماجہ مترجم ج ۲: ص ۲۱۶ طبقات ج ۸ ذکر عائشہ۔

سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں۔

عبد اللہ سے مقصود عبد اللہ بن الزبیر ہیں جو حضرت عائشہ کے بھانجے اور حضرت اسماء
 بنت ابی بکر کے صاحبزادے ہیں۔ ہجرت کے بعد یہ اولین فرزند اسلام تھے، حضرت عائشہ نے ان
 کو متبنی کیا تھا اور ان کو دل سے چاہتی تھیں۔ وہ بھی ماں سے زیادہ ان سے محبت کرتے تھے،

ان کے علاوہ حضرت عائشہ نے اپنی آغوش تربیت میں اور بھی بچوں کی پرورش کی۔ (نموطا کتاب الزکوٰۃ) خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ایک انصاریہ لڑکی کی پرورش اور شادی کا ذکر احادیث میں ہے۔ (مسند احمد ج ۶: ۲۲۹)

مسروق بن الابدح۔ (تذکرۃ الحفاظ) عمرہ بنت عائشہ، عائشہ بنت طلحہ، عمرہ بنت عبد الرحمن انصاریہ، اسماء بنت عبد الرحمن بن ابی بکر عروہ بن الزبیر، قاسم بن محمد اور ان کے بھائی اور عبد اللہ بن یزید وغیرہ حضرت عائشہ کے پروردہ تھے۔ محمد بن ابی بکر کی لڑکیوں کو بھی خود پالاتھا۔ ان کی شادی و بیاہ خود کیا کرتی تھیں۔ (سیرت عائشہ ص ۱۸۲)

صحیح بخاری میں ہشام نے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ ~~انہیں~~ نے ایک لڑکی کی شادی ایک انصاری سے کی۔ (بخاری ج ۲: ص ۷۷۵)

حضرت عائشہ نے لپٹے بھانجے کو بیٹا بنا لیا تھا۔ اسی باعث حضرت اسماءؓ نے لپٹے بیٹے کے نام پر کنیت نہیں رکھی۔ اور چونکہ ام المؤمنینؓ اول ہی سے عبد اللہ کو بیٹا کہا کرتی تھیں اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو لپٹے بیٹے کے نام پر کنیت رکھ لے۔ اس طرح آپؐ کے اس جذبہ مادریت کی تسکین ہو گئی جو ہر جوان عورت کی تمنا ہوتی ہے، جو خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اس وقت جوان تھیں اور عبد اللہ، ہشام کی روایت کی رو سے ان سے صرف آٹھ سال چھوٹے تھے۔ ایسی صورت میں ان کو بھونا بھائی تو کہا جاسکتا تھا بیٹا ہرگز نہیں کہا جاسکتا تھا یہ تمام صورت حال اس امر کو ثابت کر رہی ہے کہ وہ جوان العمر تھیں۔ اور ان کا فطری جذبہ اولاد کا مستی تھا۔ اسی لئے لپٹے بھانجے کو بیٹا بنا یا اور اولاد نہ ہونے کے باعث متعدد لڑکیوں کی پرورش کرتی رہیں۔

بانیوں و لیل

بشر بن عقرہ سے روایت ہے کہ میرے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے، میں بھٹارو رہا تھا اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا

اماترضی ان اکون اباک وعائشہ امک

کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ میں تیرا باپ بنوں اور عائشہ تیری ماں بنے۔

آپ غور فرمائیے کہ دس سالہ کمسن بچی کے ہارے میں یہ فرمانا کہ وہ تیری ماں بنے اور میں تیرا باپ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ جملے نکلنا ممکن ہے؟ نہیں تا دقت لڑکی ام المؤمنینؓ کی عمر زیادہ نہ ہو ورنہ بشر بھی چھ سات سال کے بچے ضرور ہوں گے۔ یعنی دس سالہ لڑکی سات سالہ بچے۔ یہ تاریخ کا ایک بدترین مذاق ہو گا۔ ہمارے نظریہ کے لحاظ سے

ہم المومنین کی عمر جنگ احد کے وقت کم از کم اکیس سال تھی۔

تیسویں دلیل کیا عرب میں کس لڑکیوں کی شادی کا رواج تھا؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عربوں میں اور علیٰ الخصوص اس وقت میں بالغ لڑکی کے نکاح کا رواج عیاں نہیں؟

جب ہم تاریخ عرب پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمیں تاریخ عرب میں قبل از اسلام اور بعد از اسلام اس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔ بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں جن کنواری لڑکیوں کی شادیاں ہوئیں وہ سب پختہ عمر کی لڑکیاں تھیں۔ اور کوئی بھی کچھ دارماں لڑکی کے بالغ ہوتے ہی اس کی شادی پر فوری تیار نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر لڑکی خود کم عمر نا کچھ ہوگی تو ایسی عمر میں اس کے جو اولاد ہوگی وہ اسے کیسے سنبھالے گی۔ اور نتیجاً اس کی یا تو صحت خراب ہو جائے گی یا اولاد پر اسے جتنی توجہ دینی چاہیے وہ توجہ نہ دے سکے گی۔

ہر مہذب معاشرہ میں بھی رواج ہوتا ہے کہ لڑکیوں کی شادی ایسی عمر میں کی جائے کہ ان میں شعور و احساس پیدا ہو گیا ہو۔ اور یہ شعور اٹھارہ سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہاں تک فرماتے ہیں کہ بلوغ کی حد اٹھارہ سال ہے۔ اور ہمارا تصور یہ ہے کہ اگر کوئی لڑکی تیرہ چودہ سال کی عمر میں جسمانی طور پر بالغ ہو جائے لیکن اٹھارہ سال سے قبل وہ ہرگز بالغ العقل نہیں ہوتی۔ یعنی اس کا لاکھن نہیں جاتا۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں کی شادیاں انکی پختہ عمری میں فرمائیں۔ اور چونکہ ہجرت مدینہ سے قبل کے واقعات پورے طور پر تاریخ میں نہیں آتے۔ اس لئے ہم آپ کی ان صاحبزادیوں کی عمر کے سلسلہ میں کچھ نہیں کہہ سکتے جن کی شادی مکہ معظمہ میں ہوئی۔ لیکن ہجرت مدینہ کے بعد آپ نے دو صاحبزادیوں کی شادیاں فرمائیں اور دونوں کی شادی پختہ عمری میں کی۔

حضرت فاطمہؓ کا نکاح

حضرت فاطمہؓ کا نکاح بقول بعض مورخین سن ۲ خوال میں اور بقول بعض مورخین محرم سن ۳ ہجری میں ہوا۔ اس وقت ان کی کیا عمر تھی۔؟ تو محدثین و مورخین اس پر متفق ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کی پیدائش اس وقت ہوئی جب کفار نے خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا۔ اس وقت نبی

کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس (۳۵) سال تھی۔ یعنی نبوت سے پانچ سال قبل۔ اس طرح ہجرت مدینہ کے وقت حضرت فاطمہ کی عمر اٹھارہ سال اور شادی کے وقت بیس اکیس سال بنتی ہے۔

یہاں ایک لطیفہ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہؑ حضرت عائشہؓ سے پانچ سال بڑی تھیں۔ (الاصابہ ج ۲ ص ۳۶۶)

دوسری جانب حافظ صاحب اس کے زبردست حامی ہیں کہ ام المومنینؑ کی رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی۔ لیکن اگر ان کی اس بات کو پیش نظر رکھا جائے کہ حضرت عائشہؓ حضرت فاطمہؑ سے پانچ سال چھوٹی تھیں اور حضرت فاطمہؑ نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں تو ام المومنینؑ کی پیدائش اس سال ہوئی جس سال آپؐ مبعوث ہوئے۔ اس طرح ام المومنینؑ کی رخصت کے وقت عمر پندرہ سال بنتی ہے نو سال آخر کیسے ہے؟

سہائی برادری اس امر کی دعوایدار ہے کہ حضرت فاطمہؑ نبوت کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں اور اس طرح ان کی عمر نکاح کے وقت آٹھ نو سال تھی۔ بلکہ اسی باعث ان کا فقہی نقطہ نگاہ یہ ہے کہ جب لڑکی کی عمر نو سال ہو جائے تو اس کی شادی کر دی جائے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ اپنی اس مفروضہ داستان پر پردہ ڈالنے کے لئے ام المومنینؑ کی عمر کا شاخسانہ کھڑا کیا گیا۔ اور سنی حضرات جو، ہمیشہ ان کے تخیلات پھیلانے میں پیش پیش رہے۔ انہوں نے اس روایت کی ترویج کا کام اٹھام دیا۔ اور جب اہل سنت نے اسے قبول کر لیا تو یہ کہہ کر مذاق اڑانا شروع کیا کہ صاحب جس لڑکی نے گزیاں کھیل کر وقت گزارا ہو وہ دین کو کیا سمجھے گی؟

حضرت ام کلثوم

حضرت ام کلثومؑ کا نکاح حضرت رقیہؑ کے بعد حضرت عثمانؓ سے ربیع الاول سن ۳ ہجری میں ہوا۔ اگر حضرت ام کلثومؑ حضرت فاطمہؑ سے چھوٹی تھیں جیسا کہ فاطمہؑ کے بعد ان کے نکاح سے ثابت ہوتا ہے تو ان کی عمر انیس سال کے قریب بنتی ہے اور اگر ام کلثومؑ بڑی تھیں جیسا کہ عام مورخین کہتے ہیں تو ان کی عمر کسی حال میں تیس سال سے کم نہیں بنتی اور وہ اس وقت کنواری تھیں۔

حیرت ہے کہ آپؐ اپنی بیٹیوں کی شادیاں اس وقت فرمائیں جب ان کی عمر بیس سے تھوڑی ہو جائے جیسا کہ آج کل تعلیم یافتہ لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں۔ لیکن جب آپؐ اپنی شادی فرمائیں تو نو سالہ لڑکی سے کریں۔ آخر ان بیٹیوں کو اسے ماں کہتے ہوئے کیا محسوس ہوتا؟

حضرت اسماءؓ

حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن ہیں اور ان سے دس سال بڑی ہیں۔ ان کا نکاح حضرت زبیر سے ہجرت مدینہ سے چند ماہ قبل ہوا ہجرت کے وقت وہ حاملہ تھیں۔ ہجرت مدینہ کے وقت ان کی عمر ستائیس سال تھی اور نکاح کے وقت پچیس سال۔ یعنی ابو بکر نے بڑی بیٹی کو چھبیس سال بٹھائے رکھا اور چھوٹی بیٹی ان پر اتنی گراں تھی کہ اسے نو سال کی عمر میں رخصت کر دیا۔

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہی صورت حال ہمیں اس وقت کے پورے معاشرے میں نظر آتی ہے اور ہمیں کوئی ایسی لڑکی نظر نہیں آتی جس کی عمر شادی سے وقت انھارہ سال سے کم ہو۔ بلکہ آج تک ہمیں اس کی نظیر نہیں ملی۔ یہ کہانی ہم المومنینؓ ہی کے لئے کیوں مخصوص کی گئی۔ اس کے پس پردہ کون سی سازش کار فرما ہے۔؟۔ کاش اس کی کوئی نقاب کھائی کر سکے۔

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم المومنینؓ کی مدت ملت سہایت کی اساسی بنیاد ہے حتیٰ کہ جناب غائب کی آمد کا مقصد اولین صفت میں اٹھاس ذات ہے۔

ابو بکر و عمر و ۴ اہل بیت و عائشہ

جو بیویوں دلیل

اجتماع عملی

بشام کی اس نام نہاد روایت کے خلاف امت مسلمہ کا عملی طور پر ہمیشہ سے اجتماع رہا ہے۔ آج تک اس روایت پر کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ کسی نے اپنی نو سالہ لڑکی کو اس کام کے لئے پیش کیا۔ اور نہ آج تک اتنی عمر کی لڑکی کو زوجیت کے لئے قبول کیا گیا۔

حاصل کلام یہ کہ زبانی طور پر تو ہر فرد بشر کی زبان پر یہ روایت نظر آتی ہے۔ لیکن جب عمل کرنے کا معاملہ پیش آتا ہے تو آج تک اس روایت پر کسی نے عمل نہیں کیا اور سب اس روایت کے مغرب نظر آئے یہ عجیب قسم کا ایمان ہے کہ اس پر عمل کرنے کے سلسلے کوئی بھی تیار نہیں۔ بالکل دیگر یہ روایت کسی کو بطلان عمل قبول نہیں لیکن گیر بیٹنا ہماری عادت ثانیہ بن گئی ہے۔ لہذا اس روایت پر زبانی طور پر ہمارا ایمان ہے اور عملی طور پر پوری امت اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ آخر یہ دو نقلی پالیسی ہمارا اٹھاکب چھوڑنے کی کب اس مخالفت اور تقیہ ہلائی سے عہدہ برآہوں گے۔؟

حضرت خدیجہؓ کی عمر

ہم المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا تو ان کی عمر چالیس سال تھی۔ یہ ایک تاریخی روایت تھی جس کا حقیقت پر مبنی ہونا کوئی ضروری نہ تھا لیکن اس کا پروردگارؐ اس حد تک کیا گیا کہ اس نے ایک مذہبی حیثیت اختیار کر لی۔ حتیٰ کہ اس واقعہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دور شباب ایک بوڑھی عورت کے ساتھ گزار دیا۔ اور اس بڑھاپے میں ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں۔ زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ اور تین صاحبزادے جن کا نام قاسم، طیب، اور ظہیر پیدا ہوئے اور بقول بعض چار صاحبزادے پیدا ہونے جن میں ایک صاحبزادے کا نام عبد اللہ تھا۔ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ عبد اللہ ہی کو طیب اور ظہیر کہا جاتا ہے۔

حضرت خدیجہؓ کے دو نکاح پہلے ہو چکے تھے۔ ایک ابوبالہ ہند بن بناش بن زرارہ تمیمی سے ہوا ان سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہونے لڑکے کا نام ہند اور لڑکی کا نام بالہ تھا۔ ابوبالہ کے اشتغال کے بعد عتیق بن عائد مخزومی کے عقد نکاح میں آئیں۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام بھی ہند تھا۔ اسی باعث حضرت خدیجہؓ کی کنیت ام ہند تھی۔ حضرت خدیجہؓ کے لڑکے ہند نے اسلام قبول کیا تھا۔ ان سے حضورؐ کا علیہ مبارک شمائل ترمذی میں مروی ہے۔

(سیرت النبیؐ ۲: ۲۰۲)

جہاں ایک سواحل یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے جہاں جوانی میں چار اولادیں ہوئیں لیکن بڑھاپے میں سات یا آٹھ بچے پیدا ہوئے جو قطعاً خلاف عقل ہے۔ اس لئے کہ از روئے حکمت عموماً ۴۵ سال کے بعد عورت بچے جنمنے کے قابل نہیں رہتی۔ کہا یہ کہ چالیس سال کی عمر کے بعد آٹھ بچے پیدا ہونا۔ مستشرقین اور اسلام دشمنوں کا تمام زور اس پر ہوتا ہے کہ یہ صورت حال خلاف عقل ہے۔ اور وہ اس واقعہ کو پیش کر کے اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اور ہمارے علماء سے ایک اچھا خاصا معجزہ تصور کرتے ہیں۔ بلکہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضاہل میں شمار کرتے ہیں کہ آپ نے ایک بوڑھی عورت سے جنینی میں شادی فرمائی

دوسری جانب سبانی اس صورت حال کو پیش کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چونکہ بڑھاپے میں اتنی اولاد ہونا ممکن نہیں لہذا (زینب، رقیہ اور ام کلثوم آپ کی صاحبزادیاں

نہیں) آپ کے صرف دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔

ساتھ ساتھ وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کی عمر شادی کے وقت چالیس سال تھی اگرچہ وہ عمروں کا کھیل کھیلنے میں ماہر ہیں۔ لیکن غلطی سے یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نبوت کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں۔ گویا جب حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئیں تو حضرت خدیجہ کی عمر ساتھ سال ہوئی۔ اس لحاظ سے اگر حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کا حضرت خدیجہ کی اولاد ہونا ممکن نہیں، تو حضرت فاطمہؓ کا ان کی اولاد ہونا تو قطعاً محال ہوا۔ انہیں اولاد یہ ثابت کرنا چاہیے کہ ساتھ سال کی عمر میں اولاد ہو بھی سکتی ہے یا نہیں۔ اور جب اس کا ثبوت ہم ہونہا دیں تو پھر یہ ثابت کریں کہ فاطمہؓ خدیجہ کی اولاد ہیں، ملت سبائیہ جب یہ دونوں امور ثابت کر دے گی تو ہم یہ ثابت کر دیں گے کہ یہ چاروں صاحبزادیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کی عمر میں اختلاف ہے۔ اور اس معاملہ میں مورخین کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول ہے کہ چالیس سال کی عمر تھی۔ ایک قول ۳۵ سال کا، ایک قول تیس کا، ایک قول سائیس کا اور ایک قول ہے کہ صرف پچیس سال عمر تھی۔ سبائی مورخین نے یہ کارنامہ انہما دیا کہ صرف چالیس کا قول نقل کیا بقیہ اقوال نقل نہیں کئے اور چالیس سال کی عمر کے قول کو اتنی شہرت دی کہ دیگر اقوال کا عدم ہو گئے۔ حتیٰ کہ ہمارے علماء اور بعد کے تمام مورخین اس قول کو قطعی تصور کر بیٹھے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

ونقل البهقی عن الحاكم انه كان عمر رسول الله صلى الله عليه وسلم حين تزوج خديجه خمسا وعشرين سنة و كان عمرها اذ ذاك خمسا و ثلاثين و قيل خمسا وعشرين سنة

البدایۃ ج ۲: ص ۲۹۵

نبہتی نے حاکم سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ سے نکاح فرمایا تو آپ کی عمر پچیس سال تھی۔ اور حضرت خدیجہ کی عمر پینتیس سال تھی اور ایک قول یہ ہے کہ پچیس سال تھی۔

یعنی نبہتی و حاکم کا قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کی عمر اس وقت پینتیس سال تھی۔ ساتھ ساتھ یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ پچیس سال عمر تھی۔

دوسرے مقام پر حافظ ابن کثیر حضرت خدیجہ کی وفات کے وقت کل عمر بیان کرتے

ہوئے لکھتے ہیں۔

و بلفت خدیجة خمساً وستین و یقال خمسین و ہواصح۔

(البدیہ والہنایہ ج ۲: ص ۲۹۴)

حضرت خدیجہؓ کی عمر پینسٹھ سال ہوئی۔ ایک قول ہے کہ پچاس سال ہوئی۔ اور یہی صحیح ہے۔ اس پر تمام محدثین و مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں پچیس سال رہیں اور نبوت کے دسویں سال ان کا انتقال ہوا۔ حافظ ابن کثیر نے یہ کہہ کر کہ صحیح یہ ہے کہ ان کی عمر پچاس سال ہوئی یہ ثابت کر دیا کہ نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر صرف پچیس سال تھی۔ اور حافظ ابن کثیر نے ایک لفظ میں یہ ثابت کر دیا کہ بقیہ اقوال غلط ہیں۔ اتنی صریح وضاحت کے باوجود ہم صرف ایک سنی سنائی گپ پر ایمان لاتے رہے اور اتفاق سے اس مرض لا علاج میں ہم خود بھی مبتلا تھے لیکن جب حافظ ابن کثیر کی البدایہ والہنایہ کا مطالعہ کیا تو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے کہ ہم کتنی بڑی غلط فہمی کا شکار تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو گنہگار کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین۔

فہرست کتب

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی مطبوعات

مکان نمبر ون۔ اے ۳ / ۷، ناظم آباد نمبر ۱، کراچی ۷۴۶۰۰

فون: ۶۲۱۳۳۹

ٹرسٹ کی دیگر مطبوعات		علامہ حبیب الرحمن کا نذر علوی کی تصانیف	
۱۸۰/	۱ تصنیف خواش کا تاملین شمس الدین (ترجمہ محمد عرفانی)	۸۵/	۱ نذر نبی داستانیں نور من کی حقیقت (چند جلد)
۸۵/	۲ شمع حقیقت قاضی محمد علی (انٹریا)	۱۰۰/	۲ شب برات۔ ایک تحقیقی جائزہ
۱۵/	۳ در اثنت مقبول احمد مدنی	۱۵/	۳ شب برات کیا ہے؟
۱۵/	۴ تصوف پر ہندوستانی اثر ڈاکٹر محمد عمر	۷۵/	۴ صحابہ کرام قرآن کی نظر میں
۱۲/	۵ اسلام اور تصوف جلیلیہ احمد قادری	۷۵/	۵ کیا ہمارا قرآن ایک ہے؟
۱۲/	۶ حقیقی اہل بیت سنی محمد طاہر کنگی	۳۵/	۶ عقیدہ و ایصال ثواب قرآن کی نظر میں
۹/	۷ تہذیب سولہوی محمد (انٹریا)	۲۰/	۷ فاتحہ خشت الامام
۵/	۸ رسم جیز (قرآن کی روشنی میں) ڈاکٹر محمد نیاز	۱۵/	۸ تحقیق عمر عائشہ
۱۵/	۹ معجزات نبوی	۱۵/	۹ عقیدہ حضور مدنی
۱۲/	۱۰ عذاب قبر محمد فاضل (مدبر الحق)	۶/	۱۰ کیا حد طلال ہے؟
۶/	۱۱ عذاب قبر الیسا نور محمد	۶/	۱۱ سان حسن صبری
۳۵/	۱۲ عذاب قبر قرآن عثمانی	۶/	۱۲ اسلام میں حفظ مراتب پر ایک تحقیقی نظر
۲۰/	۱۳ عقیدہ نزول سجاد مدنی مولانا عبداللہ سندھی	۱۵/	۱۳ اہمیت تبلیغ
۳۰/	۱۴ سلطان حسین کی خانہ تلاشی مولانا عبدالمجید شکور قادری	50/	۱۴ Age of Ayesha
اس کے علاوہ درج ذیل مصنفین کی تصانیف دستیاب ہو سکتی ہیں۔		Religious Tales Fact and Fiction	۱۵
۱۰۰/	۱۵ خلافت معاویہ و یزید محمود احمد عباسی	Rs. 210/-	
۳۰/	۱۶ بلا شہ دہم لودھ	علامہ ترمذی جلیلی پھلوار دی کی تصانیف	
۱۳/	۱۷ رسومات محمدیہ توہید دہلوی	۳۰۰/	۱ اعجاز القرآن اور اختلاف قرأت
۱۵۰/	۱۸ تحقیق حریہ	۸۵/	۲ امام زہری کی طبیعتی تصویر کا دور مروری
۳۰/	۱۹ ہم پائی	۸۵/	۳ انتظار مدنی کی سچائی اور جہاں کی روشنی میں
۵۵/	۲۰ حیات سیدنا یزید محمد عظیم الدین صدیقی	۸۰/	۴ جمع القرآن
۵۰/	۲۱ واقعہ کربلا اور سیدنا یزید	۳۰/	۵ نذر اکرام ایصال ثواب کی دوسری نذر
۵/	۲۲ دریں توحید حدیث نول	۱۵/	۶ کیا اختلاف امت رحمت ہے؟
۱۲/	۲۳ دریں توحید حدیث دوم	۳۵/	۷ البصیرہ الزبرہ حدیث نثر
۲۵/	۲۴ حقیقت و سبیل	۵۰/	۸ حدیث نثر
۱۵۰/	۲۵ دینی نفسیات سنی محمد اسحاق ندوی	۵۰/	۹ وصیت در اثنت نور گلار
۱۰۰/	۲۶ اہمہ حقیقت جلد نول	۱۵/	۱۰ سبیل المؤمنین
۱۰۰/	۲۷ اہمہ حقیقت جلد دوم	۵/	۱۱ اخلاقی کتب و رسائل
۱۰۰/	۲۸ اہمہ حقیقت جلد سوم	۳۵/	۱۲ نماز چمکانہ کا قرآنی ثبوت